# نظیر اکبرآبادی

## (منتخب شاعری)

مرتبہ

ابن کنول

شاعری میں نظیر ایک خاص طرز کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ نظیر ورڈسورتھ کی طرح فطرت کے شاعر تھے۔ اپنے پیش رووں، ہم عصروں کے اسلوب اور موضوعات سے ہٹ کر ایک راہ نکالی، نظیر کی بے راہ روی اور آوارہ مزاجی نے شاعری کے لیے نئے نئے موضوعات دیئے بلکہ نئے نئے الفاظ اُن کی شاعری میں درآئے۔ نظیر نے انتہائی گہرائی اور ہمدردی سے ہندوستانی سماج کا مشاہدہ کیا اور اسی ہندوستان کے سماج کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ جس طرح پہلی بار پریم چند نے ہندوستان کے دبے کچلے، پسماندہ طبقے کے درد کو اپنی تحریروں میں پیش کیا تھا، نظیر نے بھی عام آدمی کے احساسات وجذبات کی عکاسی کر کے شاعری کو مقصدیت عطا کی۔ نظیر کی شاعری تخیلات کی شاعری نہیں، واقعات کی شاعری ہے۔ نظیر نے شاعری کو زندگی سے قریب کر دیا۔

اس انتخاب کے مرتب پروفیسر ابن کنول اردو کے نامور نقاد، محقق اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کی تصانیف میں بوستانِ خیال: ایک مطالعہ، داستان سے ناول تک، تنقید وتحسین، ریاضِ دلربا (تحقیق) اور افسانوی مجموعے تیسری دنیا کے لوگ، بند راستے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان دنوں شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ISBN 978-81-237-5352-2

قیمت 60.00

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

# نظیرؔ اکبر آبادی

(منتخب شاعری)

ہندوستانی ادب

# نظیر اکبر آبادی

## (منتخب شاعری)

مرتب

ابن کنول

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

ISBN 978-81-237-5352-2

پہلا ایڈیشن: 2008 (ساکا 1930)



Nazeer Akbarabadi: Selected Poetry (Urdu)

قیمت: 60.00

ناشر: ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
5 نہرو بھون، انسٹیٹیوشنل ایریا،
وسنت کنج، فیس-II، نئی دہلی-110070

# ترتیب

# احوالِ نظیر

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بڑے فنکار کی قدر و منزلت اس کی زندگی یا اُس کے عہد میں نہیں ہوتی، اُس کے گزر جانے کے بہت عرصہ بعد اُس کے فن کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ بعض فنکار مستقبل کے فنکار ہوتے ہیں، آنے والے وقت کے تقاضوں کو محسوس کر کے اپنے فن میں پیش کر دیتے ہیں، اردو کے عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی ایسے ہی فنکاروں میں شمار کیے جاتے ہیں، اٹھارہویں صدی کے اس شاعر نے بیسویں صدی کے موضوعات اور شاعری کے اندازِ بیان کو اختیار کر کے اپنی انفرادی حیثیت کا اعتراف کروایا ہے، نظیر اکبر آبادی کی اسی انفرادیت نے انہیں جدید نظم کا بانی قرار دیا۔

اپنے عہد میں ناقدری کے سبب نظیر اکبرآبادی کی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ نظیر کا تعلق جس عہد سے تھا وہ اردو شاعری کا زرّیں دور کہا جاتا ہے، میر تقی میر، مرزا سودا، خواجہ میر درد، میر حسن، انشاء، مصحفی، جرأت، آتش جیسے شاعر اردو شاعری کے آسمان پر کہکشاں بنائے ہوئے تھے، اسی عہد زرّیں میں نظیر عام روش سے ہٹ کر عوامی موضوعات پر اس شہر میں رہ کر شاعری کر رہے تھے جہاں میر اور غالب پیدا ہوئے اور جو شہر مغلوں کا دارالسلطنت رہا، لیکن نظیر عوام سے قریب ہونے کے سبب نظر انداز کیے جاتے رہے، ان کی شاعری بازاروں میں، میلے ٹھیلوں میں تو مقبول ہوئی لیکن خواص کو اپنی طرف

متوجہ نہ کر سکی، نظیر اکبر آبادی کی فقیرانہ طبیعت نے اس کی پرواہ بھی نہ کی اور وہ اپنے مزاج کے مطابق شاعری کرتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد اور اُن کے بعد کے عہد کے بیشتر تذکرہ نگاروں اور ناقدوں نے ان کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا۔ اسی لیے ان کی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں رہے۔ پہلی بار پروفیسر عبدالغفور شہباز نے نظیر کی نواسی ولایتی بیگم کی مدد سے ''زندگانیِ بے نظیر'' ترتیب دے کر ان کی زندگی کے بہت سے تاریک گوشوں کو روشن کرنے کی کوشش کی، نظیر کے دیگر سوانح نگار یا ناقدین نے پروفیسر شہباز ہی کے بیانات کو بنیاد بنایا، جب کہ پروفیسر شہباز کی کتاب میں تحقیق کے ساتھ ساتھ عقیدت بھی شامل ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ پروفیسر شہباز کی کاوش کی بدولت ہی نظیر کی زندگی اور مکمل کلام منظرِ عام پر آیا، بعد میں متعدد نظیر کی زندگی اور شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مقالے قلم بند کیے گئے۔ آج نظیر اکبر آبادی اردو شاعری کا ایک اہم نام ہے، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں نظیر اور ان کے کلام کی جو ناقدری ہوئی، اس کے برعکس بیسویں صدی کا سائنٹفک اور حقیقت پسندانہ مزاج انھیں بڑا شاعر تسلیم کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ عہد حاضر کے قاری کو گزشتہ صدیوں کے نامور شعرا کے کلام کا بیشتر حصہ محض تفنن طبع کا ذریعہ لگتا ہے، لیکن نظیر کی شاعری میں اپنے عہد کی تصاویر اور اپنے مسائل نظر آتے ہیں، نظیر اکبر آبادی کی نظمیں ہر عہد کی نظمیں ہیں، ان کی نظموں میں پیش کردہ موضوعات اور مسائل ہر عہد کے موضوعات اور مسائل ہیں اسی لیے اُن کی شاعری کو آفاقی کہا جا سکتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کا عہد ہندوستان کی تاریخ کا ایسا باب ہے جسے پڑھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء کے بعد دنیا کی عظیم مغلیہ سلطنت غرقِ مئے ناب ہو جاتی ہے، شہزادوں میں تخت نشینی کے لیے ہونے والی جنگیں سازشوں کو جنم دیتی ہیں اور سازشیں سلطنت کو کمزور کرتی چلی جاتی ہیں۔ اور اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر بیرونی اور اندرونی



طاقتیں لوٹ مار کا بازار گرم کرتی ہیں، پہلے نادر شاہ دلّی کو لوٹتا ہے پھر احمد شاہ ابدالی تباہ کرتا ہے اور بعد میں مرہٹے اور جاٹ مظالم ڈھاتے ہیں، اکبر و شاہ جہاں کے نااہل جانشین مغلیہ سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے نہیں بچا پائے۔ نظیر اکبر آبادی نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ اس طویل زندگی میں انھوں نے مغلیہ سلطنت کو برباد ہوتے اور دلّی و آگرہ کو اُجڑتے دیکھا، جس کا عکس اور درد اُن کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ نظیر نے اپنی شاعری میں اپنے عہد کے عوام کے درد کو پیش بھی کیا ہے اور درد کو بھلانے کا انداز بھی اختیار کیا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کہلاتے ہیں لیکن اکبر آباد یعنی آگرہ ان کا وطنِ ثانی تھا، نظیر کا تعلق دہلی سے تھا اور وہ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن دہلی کے سیاسی انتشار سے گھبرا کر جس طرح متعدد دہلی کے خاندان دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے، نظیر کا خاندان بھی ہجرت کر کے آگرہ پہنچا اور مستقل سکونت اختیار کی۔ نظیر کا اصل نام ولی محمد اور والد کا نام محمد فاروق تھا۔ ان کی والدہ آگرہ کے قلعہ دار نواب سلطان خاں کی بیٹی تھیں۔ نظیر کے والد محمد فاروق عظیم آباد کے کسی نواب کے مصاحبین میں شامل تھے۔ نظیر محمد فاروق کی تیرھویں اولاد تھے، کہا جاتا ہے کہ نظیر سے پہلے محمد فاروق کی بارہ اولادیں انتقال کر چکی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بارہ اولادوں کی موت پر صبر کرنا بڑے حوصلے اور ہمت کی بات ہے لیکن نظیر کے والدین خدا کی ذات سے مایوس نہیں تھے، انھیں شکوہ بھی نہیں تھا کہ اُن کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ انھیں امید تھی کہ اُن کے گلشن میں ضرور کوئی ایسا پھول کھلے گا جو اپنی مہک سے دنیا کو معطّر کر دے گا اور یہی ہوا کہ نظیر کے والدین کے صبر کا امتحان ختم ہوا اور دعا قبول ہوئی کہا جاتا ہے کہ کسی فقیر نے بشارت دی کہ ''جا خوش ہو جا، ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا، زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا، قابلیت اُس کی غنچہ کی طرح شگفتہ ہوگی اور خوشبو اُس کی پھول کی طرح پھیلے گی'' ایسا ہی ہوا، فقیر کی دعا اور نظیر کی ولادت نے محمد فاروق کے اُجڑے گلشن کو مہکا دیا اور اتنی لمبی عمر دی کہ برسوں تک لوگ اس کی خوش بو اور خوش کلامی سے محظوظ ہوتے رہے۔

نظیر کے سن ولادت کے بارے میں تقریباً سبھی محققین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ عہد محمد شاہی میں نادر شاہ کے حملے سے چار سال قبل یعنی ۱۷۳۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ نظیر کی ولادت آگرہ میں ہوئی۔ دہلی نظیر کی ددیہال تھی اور آگرہ ننیہال۔ لیکن نظیر دہلی سے نہیں آگرہ سے محبت کرتے تھے اُن کے کلام میں جگہ جگہ اکبرآباد یعنی آگرہ کا ذکر ہے، دہلی کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ وہ خود کو آگرے ہی کا کہتے ہیں۔

عاشق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے　　　ملاّ کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے

مفلس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے　　　شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے

بہرحال نظیر کیونکہ والدین کی دعاؤں کا ثمر تھے۔ اس لیے سب کی آنکھوں کا تارا بنے، بڑے نازونعم سے پرورش ہوئی۔ بچپن میں ہرطرح کا عیش وآرام اور آزادیاں انھیں نصیب ہوئیں۔ جس کی وجہ سے مزاج میں ایک کھلنڈرا پن آ گیا۔ تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے عہد کے تمام کھیلوں میں بھی دلچسپی لی۔ نظیر کا بچپن دلّی میں گزرا، یہیں انھوں نے جوانی میں قدم رکھا، یہیں انھوں نے رواج کے مطابق اردو، فارسی اور کچھ عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پہلے بغدادی قاعدہ ختم کیا، پھر عم کا پارہ پڑھا، سعدی کی ''کریما'' پڑھائی گئی، خالق باری، آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا درس دیا گیا، گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ، انشاء منیر، یوسف وزلیخا وغیرہ کو پڑھایا گیا، اردو اور فارسی کے علاوہ دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کی۔ نظیر کے متعلق بیشتر معلومات یعنی ان کے شوق اور مشاغل کا علم اُن کے کلام ہی سے ہو جاتا ہے۔ اپنی علمیت کے بارے میں ایک نظم میں کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جس کو نظیر، سنئے ٹک اس کا بیاں　　　تھا وہ معلّم غریب، بزدل و ترسندہ جاں



کوئی کتاب، اس کے تئیں، صاف نہ تھی درس کی　　　آئے تو معنی کہے، ورنہ پڑھائی رواں

فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اُسے　　　فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ ایں و آں

والدین اور نانی کے دلارے نظیر گھر میں زیادہ پابندیاں نہ ہونے کے سبب عوام کے زیادہ قریب رہے۔ متوسط طبقے سے تعلق تھا، متوسط طبقہ ہی تک خود کو محدود رکھا اور اُن کی تمام عادات واطوار کو اپنے اندر سمولیا، باوجود دہلی میں سیاسی انتشار کے نظیر کا بچپن اور نوجوانی کا زمانہ آزادانہ اور اطمینان بخش گزرا، دہلی کی بدحالی کے سبب اپنی والدہ اور نانی کے ساتھ آگرہ کا رخ کیا اور پوری زندگی اسی شہر کے گلی کوچوں میں گزار دی اور نظیر اکبرآبادی کہلائے جانے لگے۔

نظیر دہلی میں رہے یا آگرہ میں، انھوں نے اپنے انداز سے زندگی کا لطف اٹھایا، متوسط طبقے اور نچلے طبقے کے ذرائع تفریحات سے محظوظ ہوئے، کبھی پتنگ بازی کی، کبھی کبوتر بازی، کبھی شطرنج کھیلی، کبھی گنجفہ اور جوئے میں بھی شریک رہے اور چوسر کا بھی پانسہ پھینکا، کُشتی لڑنے کا بھی شوق تھا اور تلوار بازی کا بھی۔ میلوں ٹھیلوں میں برابر شریک ہوتے تھے، انھیں زندگی کو ہنسی خوشی گزارنے کا ہنر آتا، خود بھی خوش رہتے اور دوسروں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ نظیر کی ابتدائی زندگی کا عکس اُن کے مسدّس ''اشتیاق دیدار'' میں نظر آتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ نظیر نے اس میں اپنے مشاغل بیان کردیے ہیں۔

اپنی تو عشق میں ہی گزری جوانی پیری　　　یا کاکلوں کے پھندے یا زلف کی اسیری

اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری　　　تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے

ٹک ہنس کے او پری رُو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اُڑایا　　　شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا

بانک و پٹا و بلّم، گدکا و لٹھ پھرایا — جھمکا تمہارا اُس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے

ٹک ہنس کے او پری رُو، آنکھیں لڑالے ہم سے

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اُڑائے — کنکوئے، چنگ، گڈی، تکّل، پتنگ بنائے

کھٹ والے بن ہزاروں چھاتی تلک لگائے — ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے

ٹک ہنس کے او پری رُو، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر لال بھی اُڑائے اور گل دُمیں بھی پالیں — جنگل میں کل لگائی اور پدڑیاں سنبھالیں

ڈبیوں میں ڈال مکھی بل مکڑیاں بنالیں — کیا کیا نہ ہم نے پیارے پھر پھدکیاں نچالیں

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے

ٹک ہنس کے او پری رُو، آنکھیں لڑالے ہم سے

تذکرے اور ناقدین نظیر کی زندگی کے سلسلے میں خاموش سہی لیکن نظیر کا کلام خود ان کی زندگی کے نشیب و فراز کو بیان کردیتا ہے، یہاں تک کہ اپنا حلیہ بھی خود ہی بیان کردیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

سُست روش، پستہ قد، سانولا ، ہندی نژاد

تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں

ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور

تھا وہ پڑا آن کر اَبروؤں کے درمیاں

وضع سُبک اُس کی تھی، تِس پہ نہ رکھتا تھا ریش

مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں



اُن کی بے فکر زندگی کا پتہ بھی اُن کی شاعری ہی دیتی ہے ؎

فضل سے اللہ نے اُس کو دیا عمر بھر

عزت و حُرمت کے ساتھ، پارچہ و آب و ناں

نظیر قریب ۲۲-۲۳ سال کی عمر میں یعنی ۱۷۵۷ء میں دہلی سے آگرہ مستقل طور پر آ گئے تھے۔ آگرہ آ کر تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد نظیر نے ذریعۂ معاش کے طور پر معلّمی کا پیشہ اختیار کیا، اسی سلسلے میں متھرا بھی گئے لیکن آگرہ کی محبت نے کہیں رہنے نہ دیا، واپس لوٹ آئے۔ معلّمی کے پیشے میں وہ مرتبہ حاصل کیا کہ نظیر کا شمار آگرہ کے چند ممتاز معلّمین میں ہوتا تھا، اُن کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ آگرہ کے ایامِ طفلی کے قیام میں مرزا غالبؔ نے بھی نظیر اکبرآبادی سے درس لیا، لیکن معتقدین غالبؔ اس کی تردید کرتے ہیں۔ نظیر کے مزاج میں قناعت پسندی اور فقیری تھی۔ اسی لیے دربار سے دور بھاگتے اور عوام کے بیچ رہتے تھے، لکھنؤ کے نواب نے بلایا، قاصد مع روپیوں کے بھیجا لیکن نظیر کی طبیعت نے جانا قبول نہیں کیا، نہیں گئے، راجہ بھرت پور کی دعوت پر بھی انکار کردیا، کچھ دن نواب محمد علی خاں اور راجہ بلاس رائے کے بچوں کو ضرور تعلیم دی۔ آگرے میں بھاؤ قلعدار کے معلّم بھی رہے، لیکن قلندرانہ مزاج نے کہیں رُکنے نہیں دیا۔ نظیر کو معلّمی کے پیشے سے جو کچھ حاصل ہو رہا تھا اُسی کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ میر قدرت اللہ قاسم اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ''بہ معلّمی اوقات گزاری می کردہ بہ کشادہ پیشانی ایامِ زندگی بسر می برد''

نظیر کی شادی اَدھیڑ عمر میں دہلی کے ایک معزز آدمی عبدالرحمٰن خاں چغتائی کی بیٹی تہور النساء بیگم سے ہوئی۔ جو برہان پور کے صوبہ دار محمد علی بیگ کے صاحبزادے تھے، چغتائی خاندان کی رہائش بھی تاج گنج میں تھی اور نظیر بھی اپنی والدہ اور نانی کے ساتھ آگرہ کے محلّہ

تاج گنج میں رہتے تھے۔ نظیر کے گلزار علی اسیر اور امانی بیگم دو اولادیں تھیں۔ شادی کے بعد نظیر اکبرآبادی نوری دروازے کے پاس اپنے بنوائے ہوئے مکان میں رہنے لگے۔ آخر عمر میں نظیر پر فالج کا حملہ ہوا اور اسی عارضے میں دائمی اجل کو لبیک کہا۔ اپنے ہی مکان کے صحن میں دفن کیے گئے۔ مکان کا یہ وہ حصہ تھا جہاں نیم کے دو پیڑ تھے اور وہاں بیٹھ کر وہ بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ نظیر کا انتقال ۹۵ برس کی عمر میں ۱۶/اگست ۱۸۳۰ء مطابق ۱۲۴۶ھ کو ہوا۔ اس بات پر تو سب کو اتفاق ہے کہ نظیر نے طویل عمر پائی۔ ان کی عمر کا اندازہ اُن کے اِس بند سے بھی ہوتا ہے ؎

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آ کر — اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر

دکھلاتے جس گھڑی ہیں میداں میں زور جا کر — رستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر

نظیر کی زندگی گنگا جمنی مشترکہ تہذیب کی ایک نمایاں مثال تھی، فقراء کی دعاؤں اور منت وسماجت کے بعد پیدا ہونے والے نظیر کی ولادت ہی اس تہذیب کی عکاس ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک فقیر نے نظیر کے والد محمد فاروق کو پانچ پھول دیے اور کہا کہ انھیں سونگھ کر جمنا میں پھینک دینا اور بعد کی کیفیت آ کر بیان کرنا، محمد فاروق نے ایسا ہی کیا، پانچوں پھول جمنا میں پھینکے، چار پھول الٹے گرے اور ایک پھول سیدھا رہا۔ اس کیفیت کے بیان کرنے پر فقیر نے بشارت دی کہ جا تیرا ایک لڑکا زندہ رہے گا اور پھول کی طرح اُس کی خوشبو سب جگہ پھیلے گی۔ یہ روایت ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی عکاس ہے۔ ولادت کے بعد بھی نظیر نے ہندوستانی توہم پرستی سے نجات نہیں پائی۔ ان کے ناک کان چھید دیے گئے۔ کانوں میں دُر لٹکائے گئے اور ناک میں بلاق پہنایا گیا، تاکہ بُری نظر سے محفوظ رہیں۔ نظیر کی ولادت پر تمام مشترکہ تہذیب کی رسمیں ادا کی گئیں، میراثنوں کی زچہ گیریاں بھی ہوئیں، ہجڑوں کے ناچ بھی ہوئے، بھانڈ بھگتیوں نے بھی اپنے سوانگ دکھائے، بچّے کی کلائی اور پنڈلی پر نیلے اور کالے دھاگے بھی باندھے گئے۔ غرض کہ نظیر نے نہ صرف مشترکہ تہذیب میں



آنکھیں کھولیں بلکہ بچپن اور جوانی اسی تہذیب میں گزاری، جس کا اثر ان کے کلام پر دکھائی دیتا ہے۔ اُن کے کلام میں مسلم تہواروں پر اتنی نظمیں نہیں جتنی ہندوانی تہواروں اور میلوں ٹھیلوں پر ہیں۔ ہولی، دیوالی پر انھوں نے الگ الگ ڈھنگ سے نظمیں کہیں ہیں۔ کرشن جی پر ان کی بہت سی نظمیں ہیں اور یہ سب اُن کے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں۔ نظیر ہر مذہب و ملّت کی تقریبات اور تفریحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اُن کا ایمان کبیر کی طرح انسانیت تھا، اور اسی لیے خوش اخلاقی اور خوش مزاجی ان کی زندگی کا اہم حصہ تھی۔ ہر صغیر و کبیر اور امیر و غریب سے ایک ہی انداز سے ملتے تھے، ہر ایک اُن سے خوش رہتا اور ہر ایک کو وہ خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ ظریفانہ مزاج رکھتے تھے، اُن کی جملے بازیوں سے محفلیں باغ باغ ہو جاتی تھیں۔

مزاج میں فقیرانہ پن ہونے کے سبب نظیر کو دولت و حشمت کی کبھی خواہش نہیں رہی، ان دونوں چیزوں سے دور بھاگتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ روپے کو ہاتھ سے چھوتے نہیں تھے، ان کا عقیدہ تھا ؎

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا

دُکھ اُس میں تری روح بہت پائے گی بابا

نظیر کی مال و دولت سے بے نیازی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انھوں نے کبھی کسی کی مدح نہیں لکھی بلکہ ایک مرتبہ جب لکھنؤ کے نواب کا قاصد روپے لے کر اُن کے پاس آیا، رات بھر وہ روپے اُن کے پاس رہے جس کی وجہ سے وہ سو نہیں سکے، صبح ہوتے ہی قاصد کو انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ''میاں یہ روپیہ تو بڑے بکھیڑے کی چیز ہے، چور کے ڈر کے مارے میری تو رات بھر اُدھیڑ بن میں گزری کہ نیند حرام ہو گئی۔ سو مجھ کو ایسی چیز لینی منظور نہیں۔ آرام سے اپنا سوتا ہوں اور شکر خدا بجا لاتا ہوں۔ اپنی ایسی عمدہ عافیت کو میں اتنے روپے کے لیے بیچ نہیں سکتا''، نظیر اپنے اطراف کے غرباء اور ضرورت مندوں کا بہت خیال

رکھتے تھے، کبھی کسی سوالی کو خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے، اُن کا یقین تھا کہ دنیا و آخرت کا
عیش و آرام حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو خوش رکھنا ضروری ہے۔ کہتے ہیں ؎

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات　　کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اس کے تیرا اونچا رہے گا ہات　　اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا

لغاتِ ہندوستانی و انگریزی کے مولف ڈاکٹر فیلن نے بہت تفصیل سے نظیر اور ان کے
کلام کی خصوصیات پر لکھا ہے اُن کے اخلاق و عادات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”صرف
یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں، مفلسوں، بے کسوں، مصیبت زدوں اور سب سے کسمپرس
خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہے“

نظیر کا عقیدہ آدمیت تھا وہ زندگی میں عملی طور پر بھی اور اپنی شاعری میں بھی آدمیت اور
انسانیت کا درس دیتے رہے۔ کہتے ہیں ؎

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اُن کا کہنا تھا کہ جب سب ایک ہی ہیں، سب کو ایک دن فنا ہو جانا ہے تو یہ امیر غریب،
کالے گورے کا فرق کیوں؟ ؎

کیا ہندو اور مسلماں، کیا رند و گبر و کافر　　نقاش، کیا مصوّر، کیا خوش نویس شاعر
جتنے نظیر ہیں یاں، اک دم کے ہیں مسافر　　رہنا نہیں کسی کو، چلنا ہے سب کو آخر
دو چار دن کی خاطر یاں گھر ہوا تو پھر کیا

جیسا کہ کہا گیا کہ نظیر کا عہد اردو شاعری کا زرّیں عہد تھا اردو کے نامور شعراء اسی



زمانے میں موجود تھے، لکھنؤ اور دہلی دونوں مقامات پر شاعری کے چرچے تھے، دہلی کے بیشتر
شعراء سیاسی انتشار کی وجہ سے لکھنؤ اور دوسرے شہروں میں چلے گئے تھے، خود نظیر دہلی کو چھوڑ
کر آگرہ میں بس گئے، ملک میں سیاسی زوال سہی لیکن اردو شاعری کے عروج کا زمانہ بھی
یہی تھا۔ نظیر نے اسی شاعرانہ ماحول میں ہوش سنبھالا، انھوں نے اپنے مزاج کی قلندری کے
اظہار کے لیے شاعری کو وسیلہ بنایا، نظیر کے والد اگرچہ معمولی تعلیم یافتہ تھے لیکن نظیر نے فارسی
اور اردو میں اچھی دسترس حاصل کی، یہاں تک پوری زندگی ان زبانوں کو سکھانے میں
گزار دی۔ نظیر فطرتاً شاعر تھے، غالبؔ کی طرح اُن کے بارے میں مشہور ہے کہ شاعری میں
اُن کا کوئی استاد نہیں تھا۔ طبیعت کے شاعرانہ پن نے انھیں شاعر بنا دیا، نظیر نے عام روش
سے ہٹ کر شاعری کی، وہ اپنی عمر کے ہر دور میں عوام سے قریب رہے، بچپن بھی گلیوں میں
گزارا، جوانی میں عام لڑکوں کی طرح ہر طرح کے شوق پورے کیے، ہر طرح کی تفریحات
میں شریک رہے، اسی مشاہدے نے انھیں عوام کا شاعر بنا دیا، نظیر کا کلام اپنے عہد کی جیتی
جاگتی تصویریں ہیں۔ نظیر اکبرآبادی زود گو تھے، اُن کے ضخیم اردو کلیات کے علاوہ فارسی کا
دیوان بھی موجود ہے، انھوں نے نثر میں بھی کئی کتابیں قلم بند کیں، اُن کی غزلوں کا دیوان بھی
موجود ہے۔

شاعری میں نظیر ایک خاص طرز کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ نظیر ورڈ سورتھ کی طرح
فطرت کے شاعر تھے۔ اپنے پیش رووں، ہم عصروں کے اسلوب اور موضوعات سے ہٹ کر
ایک راہ نکالی، نظیر کی بے راہ روی اور آوارہ مزاجی نے شاعری کے لیے نئے نئے موضوعات
دیئے بلکہ نئے نئے الفاظ اُن کی شاعری میں درآئے، نظیر نے انتہائی گہرائی اور ہمدردی سے
ہندوستانی سماج کا مشاہدہ کیا اور اسی ہندوستان کے سماج کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا جس
طرح پہلی بار پریم چند نے ہندوستان کے دبے کچلے، پسماندہ طبقے کے درد کو اپنی تحریروں میں

پیش کیا تھا، نظیر نے بھی عام آدمی کے احساسات و جذبات کی عکاسی کر کے شاعری کو مقصدیت عطا کی۔ نظیر کی شاعری تخیلات کی شاعری نہیں، واقعات کی شاعری ہے۔ نظیر نے شاعری کو زندگی سے قریب کر دیا۔ نظیر کی تقریباً سو سالہ زندگی کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، عہد شباب میں انھوں نے ایک آزاد، لاابالی، مستیوں سے بھرپور زندگی گزاری، ادھیڑ عمر میں جب ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں بھی کاندھوں پر آن پڑیں تو مزاج میں سنجیدگی آنے لگی اور بڑھاپے کی عمر اخلاقی درس اور دنیا کی بے ثباتی کے احساس میں بسر کی۔ ان کی شاعری کے موضوعات کو بھی اسی طرح تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلے دور کی شاعری میں نظیر عاشق مزاج نظر آتے ہیں اور جدائی، مجبوریٔ محبت، فراق، التماس و اخلاق، وصل و فراق، رضا جوئی، دید بازی، راز داریٔ محبوب، شب عیش، سوز فراق طلسم وصال وغیرہ نظمیں جوانی کے جذبات کا اظہار معلوم ہوتی ہیں۔

اپنی تو عشق میں ہی گزری جوانی پیری     یا کاکلوں کے پھندے یا زلف کی اسیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری     تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری
اک دم کو آ گئے ہیں منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

---

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے     رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دل بیمار سے     ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

---



دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا     اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا     اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی
زلفیں وہ مشکناب سی، چہرہ وہ چاند سا     جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا     جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

نظیر کے کلام میں اس طرح کی بہت سی نظمیں ہیں جو ان کی عمر کے اس دور کی یادگار معلوم ہوتے ہیں جب وہ آگرہ کے گلی کوچوں میں سیر و تفریح کیا کرتے تھے، عمر کے اس حصے کے وسیع مشاہدات کی بنیاد پر ہی انھوں نے میلوں ٹھیلوں اور آگرے کے مختلف کھیل تماشوں پر نظمیں لکھیں، آگرے کی تیراکی، بلدیو جی کا میلہ، سلیم چشتی کا عرس، پتنگ بازی، کبوتر بازی، بلبلوں کی لڑائی، گلہری کا بچہ، ریچھ کا بچہ وغیرہ نظموں سے عام زندگی کی تفریحات کا علم ہوتا ہے۔ نظیر اپنی شاعری میں نہ صرف تفریحات کا ذکر کرتے ہیں بلکہ ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں اور رہنماؤں پر بھی بڑی عقیدت سے نظمیں لکھتے ہیں، تفریحات، میلے ٹھیلے اور تیوہار ہندوستانی تہذیب کا حصہ ہیں، نظیر کے بیانات ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں۔ نظیر نے ان میلوں ٹھیلوں، تیوہاروں اور تفریحات میں شریک ہو کر خود لطف اٹھایا ہے۔ نظیر کے عہد کے شعراء کی شاعری کے بیشتر موضوعات فارسی کی دین تھے لیکن نظیر کے نہ صرف موضوعات خالص ہندوستانی ہیں بلکہ ان کی شاعری میں الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہندوستان کی عوام کی زبان کا حصہ ہے۔ ہندوستانی رسومات و تقریبات کے ذکر میں نظیر کا کلام تعصب اور تنگ نظری سے پاک دکھائی دیتا ہے۔ ہندوؤں کے تیوہاروں خصوصاً ہولی اور دیوالی کا ذکر نظیر جس انداز سے کرتے ہیں، عید اور شب برات کا رنگ بھی اس کے مقابلے میں پھیکا نظر آتا ہے۔

جب آئی ہولی رنگ بھری سو ناز و ادا سے مٹک مٹک　　اور گھونگھٹ کے پٹ کھول دیئے وہ روپ دکھائے چمک چمک
کچھ مکھڑا کرتا دمک دمک کچھ ابرن کرتا جھلک جھلک　　جب پاؤں رکھا خوش وقتی سے تب پائل باجی جھنک جھنک
کچھ اچھلیں سنتیں ناز بھریں، کچھ گود میں آئیں تھرک تھرک

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　خم، شیشے، جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں جھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

---

ہولی نظیر کا پسندیدہ تیوہار معلوم ہوتا ہے۔ صرف ہولی پر الگ الگ انداز سے انھوں نے دس نظمیں لکھی ہیں۔ دیوالی، بسنت اور راکھی پر بھی نظیر کی کئی نظمیں موجود ہیں۔ نظیر ہولی، دیوالی یا بسنت اور راکھی کو ہندوانا تیوہار نہیں بلکہ ہندوستانی تیوہار مانتے ہیں اور ہندوستانی تہذیب کسی ایک خاص فرقے سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہندوستان کے تمام عوام اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نظیر جس طرح عید اور شب برات پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح ہولی اور دیوالی مناتے ہیں۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا　　ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے جی کو سماں بھا گیا دوالی کا　　کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

نظیر نے ہندوستان کے تیوہاروں اور میلوں کے علاوہ یہاں کے موسموں اور مناظر قدرت کو لفظی پیکر عطا کیا ہے۔ سردی، گرمی اور برسات کے ساتھ ساتھ آندھی، اندھیری اور چاندنی رات کی بھی منظر کشی کی ہے۔ ان نظموں میں نظیر فطرت کے شاعر نظر آتے ہیں اور یہی شاعر جب آدمی کو غربت و افلاس میں مبتلا دیکھتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے، اس کا کھلنڈرا پن



سنجیدگی میں بدل جاتا ہے اور یہ ایسی فلسفیانہ نظمیں لکھتا ہے کہ دنیا کی گھناؤنی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ آدمی نامہ، روٹی نامہ، مفلسی، پیٹ کی فلاسفی، آٹے دال کی فلاسفی، پیسے کی فلاسفی، روپے کی فلاسفی جیسی نظمیں لکھ کر انسانیت کی زبوں حالی کا بیان کرتا ہے۔

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے　　نا دشمنی و دوستی نا تندخوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے　　سب کوئی ہے اُسی کا جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

---

جس کا شکم بھرا ہے وہ ہنستا ہے مثل پھول　　خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
جب تک نہ اس گڑھے میں پڑے آ کے خاک دھول　　سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لیے

---

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا　　کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر، کس کا بالکا　　وصف کس منہ سے کروں میں نان کے احوال کا
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

نظیر نے اٹھارہویں صدی میں ان موضوعات پر قلم اٹھایا جو بیسویں صدی میں ترقی پسند شعراء کے رہے۔ نظیر کو اپنی زندگی کے طویل سفر میں اتنے تجربات سے گزرنا پڑا، انھوں نے زندگی کی اتنی شکلیں دیکھیں کہ انھیں دنیا کی سب رنگ رنگلیاں فانی دکھائی دینے لگیں اور انھوں نے دنیا کی مذمت میں متعدد نظمیں لکھ ڈالیں مثلاً:

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

اے دل نہ رہ تو عالم ہستی میں بے خبر

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے

ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

دنیا میں دم کا تماشا ہے

کیا کیا فریب کہیے دنیا کی فطرتوں کا

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر

الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت وضرر

دنیا کی بے ثباتی اور رنگ وروپ، عیش ونشاط کے فانی ہونے کے احساس نے نظیر کے خیالات کو فقیرانہ بنا دیا، انھیں یہ یقین ہوگیا کہ وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا جو دوسروں کے کام آئے گا۔ انھوں نے اپنے کلام میں اسی بات کی تلقین کی کہ جو کچھ تیرے پاس ہے دوسروں کو دے، اسی میں انسان کی کامیابی ہے، مذمت بخل، تن کا جھونپڑا، توکل وترک و تجرید، تسلیم ورضا، دم غنیمت ہے، ترغیب سخاوت وآزادگی وغیرہ نظموں میں نظیر نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نظیر اکبرآبادی نے اپنی طویل زندگی میں جس قدر موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں اس کی دوسری مثال شاید ہی کوئی ہو، نظیر کا لہجہ اور زبان عوامی ہے عام فہم، سادہ اور سلیس ہے، ان کی غزلوں کے مضامین بھی معاصر شعراء سے مختلف نظر آتے ہیں۔ مولانا سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ میں لکھتے ہیں:

> ''میری رائے میں وہ ہند کا شیکسپیئر تھا اور فطری وقدرتی مضامین کے بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھنے والا تھا، اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا کہ دوسرا نہیں نکال سکتا''



حقیقت یہ ہے کہ نظیر اکبرآبادی کی شاعری انسانی اقدار کی شاعری ہے، ہندوستان کی معاشرت کی عکاس ہے۔ نظیر ہندوستان کی مٹی میں پیدا ہوا، اسی مٹی میں پرورش پائی، اور اسی میں دفن ہوگیا، وہ ہندوستان کا شاعر تھا اور اس کی شاعری ہندوستان ہے۔ اگر ہندوستان کو دیکھنا ہے تو نظیر اکبرآبادی کی شاعری کو پڑھنا ہوگا۔ اس انتخاب میں نظیر کی نمائندہ نظموں اور چند غزلوں کو شامل کیا گیا ہے، جس سے ان کے منفرد انداز کا علم ہوگا۔ میں شکر گذار ہوں نیشنل بک ٹرسٹ کا کہ انھوں نے اس انتخاب کی ذمہ داری مجھے سونپی۔

پروفیسر ابن کنول

شعبۂ اردو

دہلی یونیورسٹی، دہلی

# رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص اور نہ کوئی عام رہے گا　　نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہے گا　　شادی، نہ غمِ گردشِ ایّام رہے گا
نہ عیش نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے پڑا گنبدِ ازرق　　یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق
لوح وقلم وعرشِ بریں، ثابت ومطلق　　سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جائے گا ہُو حق
آغاز کسی شئے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

لے عالمِ ارواح سے تا عالمِ جنّات　　انسان و پری حور و ملک جن و خبیثات
کیا ابر و ہوا، کوہ و بحر، ارض و سماوات　　اک پھونک میں اڑ جائیں گے جوں نقشِ طلسمات
ہشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور　　یا کشف و کرامات میں ہے صاحبِ مقدور
یا ایک کا ہے نام ونشاں خلق میں مشہور　　اک دم میں پلک مارتے ہو جائیں گے سب دور

مستور نہ مشہور نہ گمنام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

مختاری کے غرّے سے جو کرتے ہیں سدا کام　　یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی ذام

جب آ کے فنا ڈالے گی اک گردشِ ایّام　　اک آن میں اڑ جائے گا سب چیز کا الزام

مختار، نہ مجبور، نہ خود کام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیّار　　سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیّار

جب آ کے فنا سر کے اُپر مارے گی اک وار　　اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے سب پار

نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

کرتے ہیں جواب دل سے ریاضات و عبادات　　یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات

جب آ کے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات　　پھر صاف ہیں دونوں کی گنہگاری و طاعات

نہ رند، نہ عابد، نہ مے آشام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملّت و مذہب کا کوئی یاں　　جس راہ میں جو آن پڑے، خوش رہے ہر آں

زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں　　عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلماں

کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی ان سے یہ پوچھو　　دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو

مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ و زیرو　　اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیر و



نہ ملک، نہ دولت، نہ سر انجام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار　　آگے وہی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار

جس طور کا اب چاہیے کر لیجیے بیوپار　　پھر جنس نہ دلاّل نہ مالک نہ خریدار

نہ نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات　　یا جھونپڑے دو کوڑی کے، یا لاکھ کے محلات

کیا پست مکاں کیا یہ ہوادار مکانات　　اک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں بات

دالان نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول　　یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول

آ جاوے گی جب بادِ خزاں ان کے اوپر بھول　　ہر خار کی ہر پھول کی اڑ جاوے گی سب دھول

نہ زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ　　آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ

وہ شخص کہاں جاتے رہے اے مرے اللہ　　اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نہ عشق نہ عاشق نہ دلآرام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو حسن کے ہیں گلبدن اور چاند سے رخسار　　آگے بھی اسی طرح بہت گل تھے نمودار

کیا جانے کدھر جاتے رہے ہائے وہ گلزار　　یہ حسن یہ صورت بھی غنیمت ہے مرے یار

گل رنگ نہ گل رو نہ گل اندام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی　　آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی　　کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

# تو صاحب سب کا سچا ہے

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا کھیل کھچا ہے　　یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے، یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان، پکھیرو، نر، ناری، کیا بوڑھا، بالک بچا ہے　　کیا دانا، بینا، ہوش بھرا، کیا بھولا، ناداں، کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

کوئی خالق، باری، رب، مولا، رحمٰن، رحیم، اللہ، تنگری　　کوئی الکھ روپ، کرتار کہے، نرکال، نرنجن، گردھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے، کوئی بولے شیو شیو ہری ہری　　کوئی داتو، دنیت، دیوال، کوئی راچھس، دیوت، جن پری
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا، مست سرا، عیار نظر، ناقص، کامل　　سردار، غریب، ادنا، اعلا، زیرک، سیانا، ناداں، غافل
رمال، نجومی، گھڑیلی، ملاّ، بہمن، پنڈت، عاقل　　کیا بید، مہندس، ابجد داں، کیا عالم فاضل، کیا جاہل
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

سیار، ثوابت، لوح و قلم، جنات، عدن، فردوس، فلک　　خورشید سے لے مہتاب تلک، مہتاب سے لے خورشید تلک
آثار، صبح، قوس، حوت، میزان، اسد، سرطان، ہر یک　　کیا رضواں غلماں جنت کے، کیا عرش، بریں، کیا حور ملک
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

دریا و سمندر، جھیل، نہر، ندی، نالے، ڈبرے، جوہر　　سیپی، گھونگے، کوڑی، موتی، گھڑیال اور ناکے سوس مگر
جونکیں، جھینسیں، گوہیں، جھینگے، مرغابی، بنجخ، بیل، انبر　　کیا لالچی، پروی اور بھنور، کیا کچھ مچھ اور کیا جی جنتر

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

گڑھ پنکھ، کلنگ، اور بار کوئی، سارس، بگلا، کویل، تیتر　　سرخاب، ترمتی، زاغ و زغن، سیمرغ اور سارس، مور، سفر
بہری، لگھڑ، توتا، مینا، ہُدہُد، شکرے، باشے، تیتر　　کیا بلبل، قمری، لال، بیا، کیا مکھی، بھنگا اور مچھر

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

گج، گینڈا، ارنا، شیر، پلنگ، آہو، ہرنی، روبہ، گیدڑ　　سیہی، نیولا، سانڈا، بچھو، افعی، چیتل، چتی، اژدر
کپی، کوہی، پاڑا، گرگ، چرغ، گرگٹ، چلپاسہ، موش، دگر　　کیا جل مانس، کیا بن مانس، کیا ہاتھی، گھوڑا، پیل، شتر

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال، قطب اور غوث ولی، ہے دھیان میں تیرے دل سب کا　　کیا گیانی، دھیانی، نارَدمن، کیا جوگی، جنگم، گُر، چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا، اور سب کا تجھ سے دھیان لگا　　کیا شاہ نظیرؔ اور کیا راجا، کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

# طفلی

کیا دن تھے یار وہ بھی، تھے جب کہ بھولے بھالے　　نکلے تھی دائی لے کر، پھرتی کبھی دَدا لے
چوٹی کوئی رکھالے، بدّھی کوئی پنھالے　　ہنسلی گلے میں ڈالے منّت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دبلے گورے ہوں یا کہ کالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم، نے حیا ہے　　آگا بھی کھل رہا ہے، پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے، ننگے پھرے تو کیا ہے　　یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اُس طرح سے کھالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے ہیں　　گڑ، بیر، مولی، گاجر لے منہ میں گھوٹتے ہیں
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں　　گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں

کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا سو کھالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو ان کو دو، سو کھالیں، پھیکا ہو یا سلونا　　ہیں بادشہ سے بہتر کر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے ان کو سونا　　پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیے بچھونا

بھونپو کوئی بجائے، پھرکی کوئی چھرالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے　　یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشا بھی کیا ہے　　اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

# جوانی

کیا عیش کے رکھتی ہے سب آہنگ جوانی　　کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے اور بنگ جوانی　　کرتی ہے کہیں صلح کہیں جنگ جوانی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا　　جو ہر کہیں عاشق، کہیں رسوا، کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے، کہیں دل ہے تڑپتا　　مرتے ہیں، سسکتے ہیں، بلکتے ہیں اہاہا
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور　　رہ جاتی ہیں پریاں بھی غرض اس کے تئیں گھور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور　　گودی میں پڑی لوٹے ہے چنچل سی کوئی حور
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں　　اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہوا دھیاں
گھبرا کے اٹھے جب تو گری پانو پہ ہر آں　　کہتی ہے: ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جاں

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستے میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں      وہ شوخ کہ ہوں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
پھانسے ہے کوئی ہنس کے، کوئی بھرتی ہے آہیں      پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتے ہیں یہ چاؤ      کہتی ہے کوئی ان کے لیے پان بنا لاؤ
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ      ناچے ہے کوئی شوخ، بتاتی ہے کوئی بھاؤ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی      مسی، کوئی سرمہ، کوئی کاجل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی      کرتی، کوئی انگیا، کوئی آنچل ہے دکھاتی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی: رات مرے پاس نہ آئے      کہتی ہے کوئی: ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی: کس نے تمھیں پان کھلائے      کہتی ہے کوئی: گھر کو جو جائے ہمیں کھائے

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا یا کوئی جھاڑ      جا شوخ سے جھٹ لپٹے یہ پنجوں کے تئیں جھاڑ
انگیا کے تئیں چیر کے کرتی کو لیا پھاڑ      اخلاص، کہیں پیار، کہیں مار، کہیں دھاڑ



اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات      اس پن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پریزاد چلے آتے ہیں دن رات      سیریں ہیں، بہاریں ہیں، تواضع ہے، مدارات

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

# بُڑھاپا

کیا قہر ہے یارو، جسے آ جائے بڑھاپا　　اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بُڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں، غم لائے بُڑھاپا　　ہر کام کو، ہر بات کو ترسائے بُڑھاپا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

آگے تھے جہاں گل بدن و یوسفِ ثانی　　دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مرجائیں، تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی　　کس دُکھ میں ہمیں چھوڑ گئی، ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے　　چہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پری رُو ہیں جھمکتے
ہم ان کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے　　وہ عیش و طرب کرتے ہیں، ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

جب عیش کے مہمان تھے اب غم کے ہوئے ضیف　　اب خون جگر کھاتے ہیں، جب پیتے تھے سو کیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ، اُٹھا سیف　　اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں، صد حیف



سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل　　واں کیونکے لگے، دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں، تو وہ سب چھیڑے ہیں مل مل　　کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے　　تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے　　''لو دیکھو، بُڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے''

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال، گلابی، تو یہ آفت　　کہتا ہے ہر اک دیکھ کہ، کیا خوب ہے رنگت
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے، کر شکل پہ رحمت　　''لاحول ولا، دیکھیے بوڑھے کی حماقت''

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جاویں، تو یارو　　کہتا ہے ہر اک دیکھ کے، جاتے ہو کہاں کو؟
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو　　''کیوں خیر ہے، کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو؟''

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں کیے دھوم دھڑ کے　　ویسے ہی بڑھاپے میں چھٹے آن کے چھکے
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے، وہ جھمکے　　اب عیش جوانوں کو ہیں، اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر حرص سے داڑھی کو خضاب اپنی لگاویں — جھرّی جو پڑی منہ پہ، اُسے کیونکے مٹاویں
گو مکر سے، ہنسنے کے تئیں، دانت بندھاویں — گردن تو پڑی ہلتی ہے، کیا خاک چھپاویں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یہ ہونٹ جواب پوپلے یاروں ہیں ہمارے — ان ہونٹوں نے بوسوں کے بہت رنگ ہیں مارے
ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گزارے — اور اب تو چڑیل آن کے، اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے — ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
جب آ کے گلے لگتے تھے محبوب بھبھو کے — اب کہیے، تو بڑھیا بھی کوئی منہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے — ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے
ہنس ہنس کے پری زادوں سے لڑنا نہیں بھولے — وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا دور تھا، سر دُکھنے کا ہوتا تھا جد افسوس — ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا حد افسوس
اب مر بھی اگر جائیں، تو ہوتا ہے کد افسوس — افسوس، صد افسوس، صد افسوس، صد افسوس!



سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

وہ جوش نہیں، جس کے کوئی خوف سے دہلے — وہ زعم نہیں، جس سے کوئی بات کو سہہ لے
جب پھوس ہوئے ہاتھ، تھکے پانو بھی پہلے — پھر جس کے جو کچھ شوق میں آوے سو ہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ، چاہ — اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دل خواہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا، آہ نظیر، آہ! — اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

# جوانی بڑھاپے کی لڑائی

جہاں میں یارو خدائی کی کیا خدائی ہے　　　کہ ہر کسی کو تکبر ہے، خود نمائی ہے
ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے　　　اُدھر بڑھاپے کی اُس پر ہوئی چڑھائی ہے
عجب جوانی، بڑھاپے کی اب لڑائی ہے

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار　　　بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جولڑنے کے واسطے تیار　　　ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
بڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اُٹھائی ہے

ادھر ہے تیر سا قامت، اُدھر وہ پیٹھ کماں　　　اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں
جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سن، بڑھاپے میاں　　　کہ تیری خیر اسی میں ہے، چل، سرک اس آں
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ رستم کو کھڑ کھڑا ڈالوں　　　پہاڑ ہووے تو اک دم میں ہل ہلا ڈالوں
درخت جڑ سے اُکھاڑوں زمیں ہلا ڈالوں　　　ابھی کہے تو تری دھجیاں اُڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی، قوت کی بادشاہی ہے

کہا بڑھاپے نے گر تجھ میں زور ہے بچا　　　تو ہاں جی دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا　　　مسوڑوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالوں چبا



نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے ہیں، لیکن　　　نیا ہے نو ہی دن آخر پرانا ہے سو دن
ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہے سن　　　پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مڑوڑے بن
کہ تونے آ کے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال　　　تو میرے کان مڑوڑے کہاں یہ تیری مجال
نہ تیرے پاس طمنچہ، نہ تیر، سیف نہ ڈھال　　　ابھی گھڑی میں بکھرتا پھرے گا ایک اک بال
یہ ڈاڑھی تونے جو مدّت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ　　　تو ہم بھی سوکھ کے جھڑ بیری کے ہوے ہیں جھاڑ
ابھی کہے تو ترے کپڑے، لتّے ڈالیں پھاڑ　　　ذرا سی بات میں اک دم کے بیچ لیویں اُکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل، نہ کہہ تو بات　　　ابھی جو آن کے ماروں تری کمر میں لات
کہیں ہو پاؤں، کہیں سر، کہیں پڑا ہو ہات　　　جسے تو جینا سمجھتا ہے، اور خوشی کی بات
وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ بے حیائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تونے جھوٹ کہا　　　جو پوچھے سچ تو ہمیں کو مزہ ہے جینے کا
شراب ہو جو پرانی تو اُڑ چلے ہے نشا　　　پُرانے جب ہوے چانول تو ہے انھیں میں مزا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ　　　جہاں تو ہو چکی پھر بس وہی ہے حال تباہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر نباہ　　　تو آپ بھی دیکھ گریباں میں ڈال کر منھ آہ
کہ اب ہے کس میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سن کر　　　تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر

میں جب تلک ہوں، بہاریں مزے ہیں سرتاسر    جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہے خوشتر
مزے تو لوٹ لیے گو کہ پھر گدائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا وہ سلطنت ہے کیا    کہ جس کے ساتھ لگا ہو زوال کا دھڑکا
ہمیں ملی وہ بزرگی کی منزلت اس جا    کہ جب تلک ہیں رہے گی ہمارے ساتھ سدا
خدا نے ایسی ہمیں دولت اب دلائی ہے

کہا جوانی نے چل جھوٹی اب نہ کر تکرار    مرے تو واسطے عیش و طرب ہیں باغ و بہار
شراب ناچ مزے گل بدن گلے میں ہار    تری خرابی یہ دیکھی ہے ہم نے کتنی بار
کہ تو نے ہر کہیں ذلت ہی جا کے پائی ہے

مجھے خدا نے دیا ہے وہ مرتبہ اور شان    جدھر کو جاؤں اُدھر عیش رنگ پھول اور پان
اُچھل ہے، کود ہے، لذت، مزے، خوشی کے دھیان    گلے لپٹتے ہیں محبوب گل بدن ہر آن
گھڑی گھڑی کی نئی سیر ہی اُڑائی ہے

کہا بڑھاپے نے چل جھوٹ اتنا مت بولے    فدا تو جن پہ ہے وہ میرے پاؤں ہیں پڑتے
ہمیں کہیں ہیں وہ حضرت تجھے کہیں ہیں ابے    ہزاروں بار پڑے تجھ پہ لات اور گھونسے
بھلا بتا تو کہیں ہم نے مار کھائی ہے؟

تجھے کچلتے ہیں وہ خوبرو جو لاتوں میں    ہم اُن کو مار اُتاریں ہیں دم کی باتوں میں
ہم عیش دن کو اُڑاتے ہیں اور تو راتوں میں    کریں ہیں عشق کو ہم جس طرح کی گھاتوں میں
تجھے کہاں ابھی اس بات میں رسائی ہے

تو جن کے واسطے گلیوں میں اب پھرے ہے خوار    ہم اُن کی لوٹے ہیں عیش و طرب کے بیچ بہار
تجھے تلاش و طلب میں کٹے ہے لیل و نہار    ہم اپنی ٹٹی میں بیٹھے ہی کھیلتے ہیں شکار
تو کیا وہ جانے جو کچھ ہم نے گھات پائی ہے



بڑھاپے نے کہا اُس دم جوانی سے بابا    مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا    تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جونہیں جوانی نے خواری کا منھ سے نام لیا    بڑھاپا دوڑ جوانی سے وو ہیں آ لپٹا
مڑوڑیں مونچھیں ادھر اُس نے ڈاڑھی کو کھینچا    لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا
کہ یارو دوڑیو، فریاد ہے دہائی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا چرچا    نظیر اس میں وہیں ایک ادھڑپن آیا
کچھ اس کو روکا ادھر اور کچھ اُس کو سمجھایا    تم اپنے خوش رہو یہ اپنے خوش رہے ہر جا
ملاپ خوب ہے، لڑنے میں کیا بھلائی ہے

❁

# موت

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مرگیا    دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مرگیا
عاقل تھا وہ، تو آپ کو سمجھا کے مرگیا    بے عقل، چھاتی پیٹ کے، گھبرا کے مرگیا
دُکھ پاکے مرگیا، کوئی سکھ پاکے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

دن رات دُن مچی ہے یہاں، اور پڑی ہے جنگ    چلتی ہے نت اجل کی سناں، گولی اور تفنگ
جس کا قدم بڑھا، وہ مُوا وہیں بے درنگ    جو جی چھپا کے بھاگا، تو اُس کا ہوا یہ رنگ
وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کل    یا چپ گزاری عمر، ویا دھوم کر چُہل
جب آن کے فنا نے کھلایا اجل کا گُل    کام آئی کچھ کسی کو خموشی، نہ شور و غل
چپکے کوئی مُوا، کوئی چلّا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

پڑھ کر نماز، کوئی رہا پاک، باوضو    کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بہ کو
ناپاکی، پاکی، موت کے ٹھہری نہ رُو بہ رُو    کوئی عبادتوں سے، مُوا ہو کے سرخ رُو



ناپاک، رُوسیاہ بھی، پچھتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا    یا مفلسی میں ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عمر    اک دم نہیں جیا    سوکھی کسی نے روٹی چبا، غم میں جی دیا
قلیہ، پلاؤ، زردہ، کوئی کھاکے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا    یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا    پُولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکان، محل، کوئی بنوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

گیسو بڑھا کے، کوئی مشائخ ہوا یہاں    یا بے نوا ہو، کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشدِ اجل کا قدم آیا درمیاں    کوئی تو لمبی داڑھی لیے ہوگیا رواں
مونچھیں، بھویں تلک کوئی منڈوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

گر ایک بے وقار ہوا، ایک قدردار    سر پر لگا جب آن کے تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی، کسی کے، نہ کچھ وقار    تھا بے حیا، سو وہ تو مُوا کھو کے ننگ و عار
اور جس کو شرم تھی، سو وہ شرما کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

عاشق ہو، گر کسی نے، کسی گل کی چاہ کی    عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آکر لگن لگی    معشوقی کام آئی کسی کی، نہ عاشقی

دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

مرنے سے پہلے مرگئے جو عاشقانِ زار
وہ زندۂ ابد ہوئے تاحشر برقرار
کیا کاتبانِ اہلِ قلم، خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو، لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مرگیا، کوئی لکھوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

پیر و مرید، شاہ و گدا، میر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس، غریب، صاحبِ تاج وعلم، سریر
کوئی ترس ترس کے مُوا غم میں اے نظیرؔ
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

# آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جاملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی، آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآں اور نماز، یاں
اور آدمی ہی اُن کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی　　اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی　　چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو یار　　اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی ازار اُتار
ننگا کھڑا اُچھلتا ہے ہوکر ذلیل و خوار　　سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اس کو بار بار
اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو، لے کے مال　　اور آدمی ہی مارے ہے، پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال　　سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ　　قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ　　دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو، بولے ہے بار بار　　اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ، صراحی، جوتیاں، دوڑیں بغل میں مار　　کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا　　اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لا رے لا　　کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور　　اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر، غلام، آدمی اور آدمی مزور　　یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی



طبلے، مجیرے، دائرے، سارنگیاں بجا　　گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بہ جا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا　　وہ آدمی ہی ناچیں ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا　　اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا　　گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے، وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں　　روپے کے اُن کے پانو ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں　　کم خواب، تاش، شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ　　پھولوں کی سیج ان پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ　　سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیراں ہوں یارو! دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے　　آپ آدمی ہی چور ہے اور آپ ہی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے　　دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثل رانگ ہے
فولاد سے گڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار　　نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار　　سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر　　ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر　　اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

# روٹی نامہ

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں　　پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں　　سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں، سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناف تلک پیٹ ہے بھرا　　کرتا پھرے ہے کیا وہ اچھل کود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا　　ٹھٹھا، ہنسی، شراب، صنم، ساقی، اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی، چولھا، توا اور تنور ہے　　خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے　　جتنے ہیں نور، سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام　　یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یہاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام　　اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھی مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور　　آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور　　ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں



پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے　　یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے　　ہم تو نہ چاند سمجھیں، نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے　　گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آ کے ڈھل گئے　　چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے
یہ کشف یہ کمال، دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو　　میلے کی سیر، خواہش باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو　　سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوے، بھر کے تھال ہیں　　پوری بھگت انھی کی، وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیر مال ہیں　　عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے　　لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے　　سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ، قواعد دکھا دکھا　　اسوار ناچے، گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگھرو کو باندھے، پیک بھی پھرتا ہے بھاگتا　　اور اس سوا جو غور سے دیکھا تو جابجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں پڑے　　کچھ بھانڈ بھگتیے یہ نہیں پھرتے ناچتے
یہ رنڈیاں جو ناچے ہیں گھونگھٹ کو منہ پہ لے　　گھونگھٹ نہ جانو، دوستو تم زینہار اسے
اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے     نے دشمنی و دوستی، نے تند خوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے     سب کوئی ہے اسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے

نوکر، نفر، غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر     روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی، خمیری ہو یا فطیر     گیہوں کی، جوار باجرے کی، جیسی ہو نظیر

ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

# چپاتی نامہ

جب ملی روٹی ہمیں، سب نورِ حق روشن ہوئے     رات دن، شمس و قمر، شام و شفق روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق، روشن ہوئے     اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق، روشن ہوئے

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقرخانی کلچہ شیرمال     ہیں وہ خالص الخاص درگاہ کریم ذوالجلال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال     جب ملی روٹی وہیں ہم ہو گئے صاحب کمال

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی پڑی، جب تک تو یار و خیر ہے     گر نہ ہو، پھر غیر کیا! اپنے ہی جی سے بیر ہے
کھاتے ہی دو تر نوالے، آسماں پر پیر ہے     آسماں کیا، پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دسترخوان پر     نے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر     کیا خدا کا نور برسے ہے پراٹھا نان پر

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا      کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
گر نہ ہو روٹی، تو کس کا پیر، کس کا بالکا      وصف کس منہ سے کروں میں نان کے احوال کا

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک، دو عالم تھے سیاہ      جب پڑی روٹی، تو پہنچی عرش کے اوپر نگاہ
کھل گئے، پردے تھے جتنے ماہی سے لے تا بہ ماہ      کیا کرامت ہے فقط روٹی میں، یارو، واہ واہ

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن کردہ نان کا      جان آتی ہے، لیے سے نام دسترخوان کا
چاند کا ٹکڑا کہوں میں، یا کہ ٹکڑا جان کا      روح ناچے ہے بدن میں، نام سن کر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہاں میں، سب بھرے ہیں نان میں      خوبیاں جتنی ہیں، آ کر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں      پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید، اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر      یعنی، کچھ دیکھے تجلی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں، دل ہو گیا بدر منیر      کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مرشد، اے نظیر

دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

# روپے کی فلاسفی

نقشہ ہے عیاں سو طرب و رقص کی رے کا      ہے ربط بہم طبلہ و سارنگی و نے کا
جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے نے کا      مینا کی جھلک، جام ادھر جھلکے ہے مے کا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے      کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دمکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں، جواہر بھی چمکتے      سب ٹھاٹھ اسی چلبلی سے دیکھے ہیں چلتے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اسی سے      میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
شیرینیاں، میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے      کھاتے ہیں، اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھمک دار بناتے ہیں اسی سے      حشمت کے چمن کو بھی بناتے ہیں اسی سے
محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے      باغات، چمن زار بناتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے ہے حسن فسوں کار مہیا | اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار مہیا
گجرے سے لگا طرۂ زر تار مہیا | کیا موتیا ہے؟ موتیوں کے ہار مہیا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے گرمی کے بھی سامان عیاں ہیں | خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں | اور شب کے بھی سونے کو ہوادار مکاں ہیں
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میسر | رتھ، چھتریاں، بارانیاں او موم کی چادر
باہر بھی وہ دیکھیں ہیں بہاروں کو نظر بھر | گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

یہ روپ جہاں ہیں: کوئی واں دل نہیں میلا | اُجلے ہیں بچھے فرش، نہیں کچھ بھی کچیلا
دیکھو جدھر، اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا | بھرتا ہے اسی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اے دوستو، راحت ہے اسی سے | ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے | عالم میں نظیرؔ، عشرت و فرحت ہے اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

# پیسے کی فلاسفی

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے | پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج، پیسا ہی جاہ و جلال ہے | پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے، سب سیٹھ ساٹھ ہیں | پیسے کے زور شور ہیں، پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھ سات آٹھ ہیں | پیسا نہ ہو، تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہووے پاس، تو کندن کے ہیں ڈلے | پیسے بغیر مٹی کے اُس سے ڈلے بھلے
پیسے سے چنی لاکھ کی اک لعل دے کے لے | پیسا نہ ہو، تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے | پیسا نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
پیسے سے لالہ، بھیا جی اور چودھری کہائے | بن پیسے، سا ہو کہ رنجی اک چور سا دکھائے
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے سے موٹی چونی کا عز و وقار ہے     پیسے سے اعتبار ہے اور افتخار ہے
پیسے میں گر غنی ہو، تو وہ بھی بہار ہے     پیسے بغیر شادی بھی ہووے، تو خوار ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا ہی جِنس دلاتا ہے انساں کے ہات کو     پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو
بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو     بن پیسے، یارو، دولھا بنے آدھی رات کو

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال     پھنستے ہیں اُس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال     پیسا، پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

تیغ اور سپر اٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر     تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
میداں میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر     یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے     بنیادِ دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے     جنت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے



دنیا میں دین دار کہاتا بھی نام ہے     پیسا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسا ہی جسم و جان ہے پیسا ہی کام ہے     پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

# بنجارا

## دنیا کا سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا    قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر، کیا گوئی، پلا سر بھارا    کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر، کیا آگ دھواں، کیا انگارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے    اے غافل تجھ سے بھی چترا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر، مصری، قند، گری، کیا سانبھر، میٹھا، کھاری ہے    کیا داکھ، منقا، سونٹھ، مرچ، کیا کیسر، لونگ، سپاری ہے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا    یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا    دھن، دولت، ناتی، پوتا کیا، اک کنبہ کام نہ آوے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈنڈا ہے    زر، دام درم کا بھانڈا ہے، بندوق، سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے    پھر ہانڈا ہے نے بھانڈا ہے نے حلوا ہے نے مانڈا ہے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی    اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی    دھی، پوت، جنوائی، بیٹا کیا، بنجارن پاس نہ آوے گی

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا



کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر    جب پونجی باٹ میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جاں اوپر
نوبت، نقارے، بان، نشان، دولت، حشمت، فوجیں، لشکر    کیا مسند، تکیہ، ملک، مکاں، کیا چوکی، کرسی، تخت، چھتر

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے    جب موت لٹیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور، کیا گوٹے تھان کناری کے    کیا گھوڑے زین سنہری کے، کیا ہاتھی لال عماری کے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے    سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے، کیا ڈھیر خزانے مالوں کے    کیا بغچے تاش مشجر کے، کیا تختے شال دوشالوں کے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے، کھم تیرے تن کا ہے پولا    تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے، واں گور گڑھے نے منھ کھولا
کیا رینی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا    گڑھ کوٹ، رہکلہ، توپ، قلعہ کیا شیشہ، دارو اور گولا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن    ٹک غافل دل میں سوچ ذرا، ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی، باندی، دائی، دوا، کیا بندا چیلا نیک چلن    کیا مندر مسجد تال کنواں، کیا کھیتی باڑی پھول چمن

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا    کوئی ناج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا    اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

# دُنیا

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر الفت میں اِس کی کچھ نہیں جز کلفت وضرر
آج اِس پہ تھی کمیں، تو لگائی کل اُس پہ گھات حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اِس کے گرفتار کا یہ حال جیسے مگس کے، شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر وفسوں وہ رکھتی ہے بہرِ فریبِ دل حیراں ہو سحرِ سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقدِ عمر کے، شیریں ہے مثلِ قند جب لے چکے، تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں، آخر ہو منفعل ملتے ہیں اپنے دست تاسف بہ یک دگر
تو بھی جو اس کے پاس لگاوے گا دل، تو یار اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع، آہ لیکن کروں میں کیا، تجھے درپیش ہے سفر
تو اس مثل کو سوچ ذرا، گر سفر گزیں کرتا ہے قطع راہ کو، باندھے ہوئے کمر
گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط سیر مسافرانہ کر، اور اس سے درگزر

اس حرف و نقیر سے یوں دل میں دے مکان
کرتا ہے جیسے نقش، نگیں کے جگر میں، گھر

❁

# مکافاتِ عمل

ہے دنیا جس کا نانو میاں، یہ اور طرح کی بستی ہے جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں، ہر آن عدالت بستی ہے گر مست کرے تو مستی ہے، اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے، تو اُس کو بھی ارمان ملے جو پان کھلاوے، پان ملے، جو روٹی دے، تو نان ملے
نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے، احسان ملے جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اُس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو، اُس کی بھی ناؤ اُترنی ہے جو غرق کرے، پھر اس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر، تبر، بندوق، سناں اور نشتر، تیر، نہرنی ہے یاں جیسی جیسی کرنی ہے، پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے، اُس کا بھی اور اچکا ہے جو اور پہ چوکی بٹھلاوے، اُس پر بھی دھونس دھڑکا ہے
یاں پشتی میں تو پشتی ہے، اور دھکے میں یاں دھکا ہے کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے، کیا زور یہ بھیڑ بھڑکا ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

ہے کھٹکا اُس کے ساتھ لگا، جو اور کسی کو دے کھٹکا ۔۔۔ اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے، جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے، پٹکے کے بیچ جو ہے پٹکا ۔۔۔ کیا کہیے اور نظیر آگے، ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

❁

## دنیا دھوکے کی ٹٹّی ہے

یہ پینٹھ عجب ہے دنیا کی، اور کیا کیا جنس اکٹھی ہے ۔۔۔ یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹّی ہے
کچھ پکتا ہے، کچھ بھنتا ہے، پکوان، مٹھائی پٹّی ہے ۔۔۔ جب دیکھا خوب تو آخر کو، نے چولھا، بھاڑ، نہ بھٹّی ہے

غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی سیٹھ، مہاجن، لاکھ پتی، بزاز، کوئی پنساری ہے ۔۔۔ یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے، اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
کیا جانے کون خریدے گا، اور کس نے جنس اتاری ہے ۔۔۔ جب دیکھا خوب تو آخر کو دلال، نہ کوئی بیوپاری ہے

غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر، کوئی رووے اپنی دولت کو ۔۔۔ کوئی بولے، اپنا مجھ سے لو، اور میرا ہو، سو مجھ کو دو
کوئی لڑتا ہے، کوئی مرتا ہے، کوئی جھگڑے حق پر ناحق کو ۔۔۔ جب دیکھا خوب تو آخر کو، کچھ دینا ایک، نہ لینا دو

غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں، تیار کسی کا ڈیرا ہے ۔۔۔ کوئی باغ مکاں بنواتا ہے، اور گھیر کسی نے گھیرا ہے
مت قصے، جھگڑے کرتے ہیں، یہ تیرا ہے، یہ میرا ہے ۔۔۔ جب دیکھا خوب، تو آخر کو، نہ میرا ہے، نہ تیرا ہے

غل، شور، بولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے، کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہے — کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے، کوئی ننگ منگے آتا ہے
کوئی پوجا کتھا بکھانے ہے، کوئی چھاپا، تلک لگاتا ہے — جب دیکھا خوب، تو آخر کو، سب چھوڑ، اکیلا جاتا ہے
غل، شور، بولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہے، کوئی ہنستا ہے، کوئی ناچے ہے، کوئی گاتا ہے — کوئی چھینے، جھپکے، لے بھاگے، کوئی دھونس دھڑ کالاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے، کوئی کنجی قفل لگاتا ہے — جب دیکھا خوب تو آخر کو، سب جھگڑا رگڑا جاتا ہے
غل، شور، بولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

اب کس کا رنگ برا کہیے، اور کس کا روپ بھلا کہیے — اک دم کی پینٹھ لگی ہے یہ، انبوہ، مزہ، چرچا کہیے
یہ سیر تماشا دیکھ نظیرؔ، اب جا کہیے، بے جا کہیے — کچھ بات نہیں بن آتی ہے، چپ چاپ پہیلی ہے، کیا کہیے
غل، شور، بولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

# کلجگ کا بیان

دنیا عجب بازار ہے، کچھ جنس یاں کی سات لے — نیکی کا بدلا نیک ہے، بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا، میوہ ملے، پھل پھول دے، پھل پات لے — آرام دے، آرام لے، دکھ درد دے، آفات لے
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا، گو مثلِ گل پھولا ہے تو — وہ تیرے حق میں تیر ہے، کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو، پھر گھاس کا پولا ہے تو — سن رکھ یہ نکتہ بے خبر، کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

شوخی، شرارت، مکر و فن، سب کا بسیکھا ہے یہاں — جو جو دکھایا اور کو، وہ آپ دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے، تس کا پریکھا ہے یہاں — جو جو پڑا تلتا ہے دل، تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو اور کی بستی رکھے، اُس کا بھی بستا ہے پرا — جو اور کے مارے چھری، اُس کے بھی لگتا ہے چھرا
جو اور کی توڑے گھڑی، اُس کا بھی ٹوٹے ہے گھڑا — جو اور کی چیتے بدی، اُس کا بھی ہوتا ہے برا

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا، وہ بھی سدا پھل پاوے گا　　گیہوں سے گیہوں، جو سے جو، چاول سے چاول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں، ویسا ہی وہ کل پاوے گا　　کل دیوے گا، کل پاوے گا، کل پاوے گا، کل پاوے گا

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی، سب جنس یاں تیار ہے　　آرام میں آرام ہے، آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اِس کو میاں، دریا کی یہ منجدھار ہے　　اوروں کا بیڑا پار کر، تیرا بھی بیڑا پار ہے

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر، تجھ کو ثنا خوانی ملے　　کر مشکل آساں اور کی، تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر، تجھ کو بھی مہمانی ملے　　روٹی کھلا، روٹی ملے، پانی پلا، پانی ملے

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے، اُس ہات لے

کر چک جو کچھ کرنا ہو اب، یہ دم تو کوئی آن ہے　　نقصان میں نقصان ہے، احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے، بہتان میں بہتان ہے　　رحمٰن کو رحمٰن ہے، شیطان کو شیطان ہے

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ دے، اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے، شکر میں شکر دیکھ لے　　نیکوں کو نیکی کا مزہ، موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملیں، پتھر میں پتھر دیکھ لے　　گر تجھ کو یہ باور نہیں، تو تو بھی کر کر دیکھ لے



کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے، مت اور کا نقصان کر　　تیرا بھی نقصاں ہووے گا، اس بات اوپر دھیان کر
کھانا جو کھا، تو دیکھ کر، پانی پیے تو چھان کر　　یاں پانو کو رکھ پھونک کر، اور خوف سے گزران کر

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

غفلت کی یہ جاگہ نہیں، یاں صاحبِ ادراک رہ　　دل شاد رکھ، دل شاد رہ، غم ناک رکھ، غم ناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ، اب ہر قدم کی خاک رہ　　یہ وہ مکاں ہے او میاں، یاں پاک رہ، بے باک رہ

کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

# فنا

جہاں ہے جب تلک، یاں سیکڑوں شادی و غم ہوں گے — ہزاروں عاشقِ جاں باز اور لاکھوں صنم ہوں گے
کنار و بوس اور عیش و طرب بھی دم بہ دم ہوں گے — مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہیں، یہ سب عدم ہوں گے

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

تمھارا اب ہے جتنا حسن کا عالم، غنیمت ہے — اگر ہے بیش تو بہتر، وگرنہ کم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا غم، غنیمت ہے — بھروسا کچھ نہیں دم کا، عزیزو! دم غنیمت ہے

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

چمن میں چل کے بیٹھوں اور صراحی جام منگواؤ — پیو بھر بھر کے ساغر تم بھی اور ہم کو بھی پلواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمیں ہنس ہنس کے بوسے دو — اجل کافر کھڑی ہے سر پہ، اے دلدار! سنتے ہو

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اچھل لو، کود لو، ہے جب تلک یہ زور نلیوں میں — غنیمت ہے وہی دم، اب جو گزرے رنگ رلیوں میں
ہمیں لو ساتھ اور سیریں کرو پھولوں کی کلیوں میں — پھرے گی پھر تو آخر تن کی اڑتی خاک گلیوں میں

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے



ہمارے اور تمھارے حق میں ہے اب تو یہی بہتر — کہ دیکھیں چاندنی اور سیر دریا کی کریں جا کر
کبھی لپٹیں گلے سے اور کبھی مے کے پئیں ساغر — یہی کہنے کو رہ جاوے گا آخر اے مرے دلبر

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر برسات ہو، یا ابر ہو، یا مینھ برستا ہو — پہن پوشاک رنگیں اور ہمارے بر میں آ بیٹھو
ادا و ناز و غمزے، جو چلے کرنے ہوں، سو کرلو — فلک کب چین دیتا ہے مری جاں پھر تو آخر کو

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اُدھر واں حسن کی مستی، اِدھر یاں عشق کی رَے ہے — چمن ہے، ابر ہے، ساقی، صراحی، جام اور مے ہے
جو کرنا ہو سو کرلو، اس گھڑی سب عیش کی شے ہے — غضب ہے، قہر ہے، جب جی نکل جاوے گا، پھر اے ہے

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میل اک ن ہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہں گے

ابھی یاں اُلفتیں بڑھتی ہیں اور واں ناز کی گھاتیں — غنیمت ہیں تمانچے پیار کے اور چاہ کی لاتیں
جب آنکھیں مند گئیں، سب ہو چکیں چتون، اشاراتیں — کہاں پھر دن مزے کے اور کہاں یہ عیش کی راتیں

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمیں ہے بے قراری اور تمھیں ہر دم طرح داری — غنیمت ہے ہماری اور تمھاری گرم بازاری
نظیرؔ اب کیا کہے آگے، غرض آخر بہ لاچاری — کہاں پھر ہم، کہاں پھر تم، کہاں الفت کہاں یاری

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

# فقیروں کی صدا

جٹ مارا اجل کا آ پہنچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا    اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اِس جینے سے، لے بس من مار، مرو بابا    جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو    خیرات کرو، احسان کرو، یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈّو بٹواؤ یا خاصہ حلوا نان کرو    کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا، اب کوڑا مارو، زیر کرو    جب مال اکٹھا کرتے تھے، اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا، لشکر بھاگ چکا، اب میان میں تم شمشیر کرو    تم صاف لڑائی ہار چکے، اب بھاگنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا، چاندی بال ہوئے، منہ پچکا، پلکیں آن جھکیں    قد ٹیڑھا، کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گئی، دل سست ہوا، نبضیں ڈوبیں    جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا



یہ پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو    اور پوپلے منہ سے روٹی کو مت مل مل کر ہلکان کرو
اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو    کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں، اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے    جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے    اب موت، کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار، روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خرسند کرو    یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ فند کرو    بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

بیوپار تو یاں کا بہت کیا اب واں کا بھی کچھ سودا لو    جو کھیپ اُدھر کو چڑھنی ہے اس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اس راہ میں جو کچھ کھاتے ہیں اس کھانے کو بھی منگوا لو    سب ساتھی پہنچے منزل پر، اب تم بھی اپنا رستا لو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلنی ہے    یہ ہڈی پسلی جتنی ہے یا گھلنی ہے یا جلنی ہے
جو رات ہو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں یہ بھی ڈھلنی ہے    اٹھ، باندھ کمر سویرے سے، تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں، کیا آج چلو یا کل نکلو　　کچھ کپڑا التّا لینا ہو سو جلدی باندھ، سنبھل نکلو
اب شام نہیں، اب صبح ہوئی، جوں موم پگھل کر ڈھل نکلو　　کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو، بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرایے کا یارو صندوق، جنازہ، باری ہے　　جب اس پر ہو، اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نہ عماری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے تھے یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے　　کچھ دیر نہیں اب آہ نظیرؔ تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

# کورا برتن

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی　　جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی　　کیا وہ پیاری صدا ہے سَن سَن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ بھی بڑی ہے ذات　　قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا ہات　　پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا، پنہاری کا جو ہے مٹکا　　اس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
لے گیا جان، پاؤں کا کھٹکا　　دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا　　دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا　　جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رہتے ہیں آب کے نم میں جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان، دھرتے ہیں وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ ان کو گڑھتے ہیں بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیر جوبن ہے جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

# خوش حال نامہ

جو فقر میں پورے ہیں، وہ ہر حال میں خوش ہیں ہر کام میں، ہر دام میں، ہر جال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے، تو مال میں خوش ہیں بے زر جو کیا، تو اُسی احوال میں خوش ہیں

اِفلاس میں، ادبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی، سر جوڑ کے بیٹھے گھر بار چھڑایا، تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر، وہیں منہ موڑ کے بیٹھے گدڑی جو سلائی، تو وہی اُوڑ کے بیٹھے

گر شال اُڑھائی، تو اُسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے دیا غم، تو اُسی غم میں رہے خوش اور اُس نے جو ماتم دیا، ماتم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم، تو اُسی کم میں رہے خوش جس طور رکھا اُس نے، اُس عالم میں رہے خوش

دکھ درد میں، آفات میں، جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ، نہ مرنے کا ذرا غم یک ساں ہے انھیں زندگی و موت کا عالم
واقف نہ برس سے، نہ مہینے سے وہ اک دم نے شب کی مصیبت، نہ کبھی روز کا ماتم

دن رات، گھڑی پہر، مہہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے اڑھایا، تو لیا اوڑھ دوشالا کمّل جو دیا، تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اڑھائی، تو وہی ہوگئی بالا بندھوائی لنگوٹی، تو وہیں ہنس کے کہا، لا

پوشاک میں، دستار میں، رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے کہا، سیر کرو جا کے جہاں کی تو پھرنے لگے، جنگل و بن، مار کے جھانکی
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی اور پھر جو کہا، سیر کرو حسن بتاں کی

تو چشم و رخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم، تو قشقہ وہیں کھینچا جبّے کی رضا دیکھی تو جبہ وہیں پہنا
آزاد کہا، ہو، تو وہیں سر کو منڈایا جو رنگ کہا اُس نے، وہی رنگ رنگایا

کیا زرد میں، کیا سبز میں، کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی، نہ باہر سے انھیں کام تکیے کی نہ خواہش ہے، نہ بستر سے انھیں کام
اسقلل کی ہوس دل میں، نہ مندر سے انھیں کام مفلس سے نہ مطلب، نہ تونگر سے انھیں کام

میدان میں، بازار میں، چوپال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں، نظیرؔ آہ اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں، نظیرؔ آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں، نظیرؔ آہ ہر وقت میں، ہر آن میں خرم ہیں، نظیرؔ آہ

جس ڈھال میں رکھا، وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

# مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی

یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

جو اہلِ فضل، عالم و فاضل کہاتے ہیں مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر جس طرح کتے لڑتے ہیں ایک استخوان پر

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی، وہ کام آہ مفلس کرے ہے اس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ کہتے ہیں جس کو شرم و حیا، ننگ و نام آہ

وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مفلسی

لازم ہے، گر غمی میں کوئی شور وغل مچائے مفلس، بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مرجاوے گر کوئی تو کہاں سے اسے اٹھائے اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے

مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری، پھکڑیاں — جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں، چھپر میں مکڑیاں — پیدا نہ ہوویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ، نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے — کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے — زنجیر، نے کواڑ، نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب، آ مفلسی پڑے — معشوق اپنے پاس نہ دے اس کو بیٹھنے
آوے جو رات کو تو نکالے وہیں اسے — اس ڈر سے یعنی رات کو ایذا کہیں نہ دے
تہمت یہ عاشقوں پہ لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی رنڈی ہو، خوش جمال — جب مفلسی کا آن پڑے اس کے سر پہ جال
دیتے ہیں اس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال — ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اس کو انگلیوں پہ نچاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول — پیسا کہاں، جو جاکے وہ لاوے جہیز مول
جو روکا وہ گلا ہے کہ چھوٹا ہو جیسے ڈھول — گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے — نے روشنی، نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں، پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے، جاتی ہے — بیٹا بنا ہے دولھا تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

کوئی شوم، بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے — بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ بابا نکھٹو ہے — بی بی یہ دل میں کہتی ہے، بھڑوا نکھٹو ہے
آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مفلسی



مفلس کا درد، دل میں کوئی ٹھانتا نہیں — مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں — صورت بھی اس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو، پر افلاس کے طفیل — کوئی گدھا کہے اسے، ٹھیراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل — منہ خشک، دانت زرد، بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے — جو آشنا ہیں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر، غیر کی چاہت گھٹاتی ہے — شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی — وہ قدر ذات کی، وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی — تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

مفلس، کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اٹھا — باپ اس کا دیکھے، ہاتھ کا اور پاؤں کا کڑا
کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چرا — نٹ کھٹ، اچکا، چور، دغا باز، گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو — سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اس کی کھپاتی ہے جان کو — چوری پہ آ کے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے، اے یارو تا فقیر — خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر — کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

# طلسم زندگی

آہ کیا کہیے رہی یاں جب تلک اپنی حیات — تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے سات
جب موے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات — زندگی اپنی تھی کل چونسٹھ گھڑی کی کائنات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے — صاحب تاج و نگیں فرماں روا بھی ہو چکے
مالک ملک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے — عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ — بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوان شاہ
محتسب کتوال قاضی صدر مفتی اہل جاہ — اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے — صاحب کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل فقیہ و جاہل و عاقل ہوئے — تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات



پھر اسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے — پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سسرے بھائی ماموں اور چچا تایا ہوئے — تھی یہی فرصت اسی میں دیکھیے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر — مسجد و تالاب و مندر حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر — تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کوٹھی زر کی بھر گئے — لیں ہزار اجناس بھی اور بن کے سوداگر گئے
خاک چھانی اور ضرر اور نفع کیا کیا کر گئے — تھی یہی فرصت انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کھیتیاں بھی بو گئے — شحنہ و عامل مقدم ہو کے قانوں گو گئے
پھر سپاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے — تھی یہی اس میں تھا جو ہونا سو ہو کر ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات — لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات
دیکھ لی ہولی دوالی عید بھی اور شب برات — پھر اسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر　　سب کیے ہم نے میاں اس حال میں ہو کر اسیر

طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بن کے پیر　　پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیر

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

# خاک کا پتلا

دنیا میں کوئی شاد کوئی درد ناک ہے　　یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے

ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے　　ناپاک ہے پلید نجس یا کہ پاک ہے

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اُس جا بڑا ظہور　　لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جس کا نور

گزرے ہے اُن کی قبر پر جب وحش یا طیور　　رو رو یہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جب کہ اولیا اور انبیا اُٹھے　　اجسام پاک اُن کے اسی خاک میں رہے

روحیں ہیں خوب حال میں روحوں کے ہیں مزے　　پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ　　حشمت میں جن کی عرش سے اونچی تھی بارگاہ

مرتے ہی اُن کے تن ہوئے گلیوں کی خاک راہ　　اب اُن کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کج کلاہ　　تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ بھی رشک ماہ

جاتی ہے ان کی قبر پہ جس دم مری نگاہ　　روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کہہ کے دل میں آہ

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ گورے گورے تن کہ جنھوں کی تھی دل میں جائے — ہوتے تھے میلے اُن کے کوئی ہاتھ گر لگائے
سو ویسے تن کو خاک بنا کر ہوا اُڑائے — رونا مجھے تو آتا ہے اب کیا کہوں میں ہائے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا — مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اُپر پڑا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا — دونوں کو خاک کھا گئی یارو کہوں میں کیا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن — اور اک یوں ہی پڑا رہا بے کس برہنہ تن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن — دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں ناج ہیں کنگنی سے تا گیہوں — اور جتنے میوجات ہیں تر خشک گونا گوں
کپڑے جہاں تلک ہیں سپید و سیہ نموں — کمخواب تاش بادلہ کس کس کا نام لوں
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں دیکھو ہو بوٹے سے تا بہ جھاڑ — بڑ پیپل آنب نیب چھوارا کھجور تاڑ
سب خاک ہوں گے جب کہ فنا ڈالے گی اکھاڑ — کیا بوٹے ڈیڑھ پات کے کیا جھاڑ کیا پہاڑ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا — پھر خاک اُس کو ہونا ہے یارو جدا جدا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا — زر سیم کوڑی لعل زمرد اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گڑھ کوٹ توپ رہکلہ تیغ و کمان و تیر — باغ و چمن محل و مکانات دل پذیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی خاک میں خمیر — میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

# مذمّت بخل
## صدائے درویش

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا — دُکھ اُس میں تری روح بہت پاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا — دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آوے گی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات — کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے رہے اُس کے ترا اونچا سدا ہات — اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

دولت کی یہی خوبی ہے سو نعمتیں کھا ڈال — کمخواب پہن بادلہ اوڑھ اور بنا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارت کی بنا ڈال — اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال
پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں کے اُپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبواوے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں یاں اب پھولے ہے جوں پھول — مردود بھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یہاں سے یہ مجہول — زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت بھول

یہ خندی ترے ساتھ نہیں جاوے گی بابا

گر نیک کہاتا ہے کر اس جائے کچھ احسان　　ہندو کو کھلا پوری مسلمان کو کھلا نان
کھا تو بھی اسے شوق سے اور عیش پہ رکھ دھیان　　تو اس کو نہ کھاوے گا تو یہ بات یقیں جان

اک روز یہ خندی تجھے کھا جاوے گی بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا　　بیٹوں کو رفیقوں کو عزیزوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت میں اُڑا جا　　پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا

ورنہ تجھے پُر دُکھ میں یہ پھنسواوے گی بابا

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جاں　　اور تیری سنے گا وہ بخیلی کی سی گزران
جب کھینچ بلاوے گا لگا کر کوئی طوفان　　تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن

یہ دوست ہی دشمن تیری ہو جاوے گی بابا

کہوے گا کوئی اس کے تئیں باندھ کے لٹکا　　کہوے گا کوئی تو بڑا منہ اس کے میں چڑھوا
کہوے گا کوئی کپڑے بھی سب اس کے اتروا　　سو ذلت و خواری سے تجھے دیکھ کے پھرتا

بندھواوے گی اور مار بھی کھلواوے گی بابا

اور جو کبھی حاکم نہ پوچھا ترا احوال　　تو چور چرا لیوے گا یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ تو پھر ہووے گا یہ حال　　قسمت سے تری جب کبھی آ جاوے گا بھونچال

پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جاوے گی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی　　جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی　　جب تک تو جیے گا یہ تجھے چین نہ دے گی

اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی بابا

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا　　اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
جب اُس میں تو اٹکے گا نہ دم نکلے گا پھڑکا　　کپّوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا



تب تن سے تری جان نکل جاوے گی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا　　ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا　　وہ ناچ مزہ دیکھے گا اور عیش کرے گا

اور روح تری قبر میں گھبراوے گی بابا

اُس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی　　اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی　　تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی

ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی بابا

جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پڑے گا　　تو قبر میں رہ رہ کف افسوس ملے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا　　بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا

دن رات تری چھاتی کو کٹواوے گی بابا

جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ　　ساقی و صراحی و پری زاد کے ہمراہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ　　جب دیکھے گا سو عیش میں تو اس کے تئیں آہ

کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا　　تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
شیشے میں اتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا　　یا خوب سا سلگا کے کوئی ہار فلیتا

دھونی بھی تری ناک میں دلواوے گی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام　　اس کام کا آخر کو برا ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوے گا دشنام　　زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

بیزاریں ترے نام پہ لگواوے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن          گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان          جیسا ہی اُسے اُس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلاوے گی بابا

# تن کا جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا          اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا          اس میں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے اسی میں سیانے ہیں          اس میں ہی ہوشیار اسی میں دوانے ہیں
اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں          شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں نمانے ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں          اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں
اس میں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں          شا جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و منعم امیر ہیں          اس میں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اس میں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں          اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی چور ٹھگ ہیں اسی میں امول ہیں　　اس میں ہی رونی شکل اسی میں ٹھٹھول ہیں
اس میں ہی باجے اور نقارے وڈھول ہیں　　شا جھونپڑا بھی اس میں ہی کرتے کلول ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں　　بیدرد بھی اسی میں ہیں اور دردمند ہیں
اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں　　شا جھونپڑا بھی اب اسی دڑبے میں بند ہیں
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر　　اس میں وکیل بخشی و متصدی اور امیر
اس میں ہی سب غریب ہیں اس میں ہی سب فقیر　　شا جھونپڑا جو کہتے ہیں سچ ہے میاں نظیر
اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

# آٹے دال کی فلاسفی (۱)

کیا کہوں نقشہ میں یار و خلق کے احوال کا　　اہل دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا　　کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بالکا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدّ راہ　　پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و پادشاہ
ساتھ آٹے دال کے لے حشمت وفوج وسپاہ　　جابجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں　　منشی و میرو وزیر و بخشی و نواب و خاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات واں　　کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کیجیے بیاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار　　دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار　　ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے　　حسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منہ زرد ہے　　تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر    وہ تو بے پروا سخی داتا ہیں آپھی دل پذیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر    ان غریبوں کی یہی اب شکل ہے گی اے نظیرؔ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

# آٹے دال کی فلاسفی (۲)

آٹے کے واسطے ہے ہوس ملک و مال کی    آٹا جو پالکی ہے تو ہے دال نالکی
آٹے ہی دال سے ہے درستی یہ حال کی    اس سے ہی سب کی خوبی ہے جو حال و قال کی
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں ہے ظہور    اس سے ہی منھ پہ نور ہے اور پیٹ کو سرور
اس سے ہی آ کے چڑھتا ہے چہرے پہ سب کے نور    شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب مزور
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

قمری نے کیا ہوا جو کہا حق سرہٗ    اور فاختہ بھی بیٹھ کے کہتی ہے قہقہو
وہ کھیل کھیلو جس سے ہو تم جگ میں سرخرو    سنتے ہو اے عزیزو اسی سے ہے آبرو
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

مینا کے پالنے کی اگر دل میں میل ہے    سچ پوچھیے تو یہ بھی خرابی کے ذیل ہے
سب عشق بازی روزی کے ہوتی طفیل ہے    روزی نہ ہو تو مینا بھی پھر کیا چڑیل ہے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹا ہے جس کا نام وہی خاص نور ہے    اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ حور ہے
اس کا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہے    سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

بلبل کے پالنے میں کہو کیا ہے فائدا    اور جو بیا بھی پالا تو پھر ہاتھ کیا لگا
کوئی دم میں پیٹ مانگے گا کچھ مجھ کو لا کھلا    پھر دال اور آٹا ہی کام آتا ہے دلا
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

چھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے    تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
طوطے کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے    ناحق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن پر ہیں چار پیسے وہی ہیں یہاں امیر    اور جتنے پیسہ ور ہیں وہ کیا خرد کیا کبیر
اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں نرے فقیر    روٹی کا سلسلہ ہے بڑا کیا کہوں نظیرؔ
سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

# پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے    سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے    پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

عاجز ہیں اس کے واسطے، کیا شاہ، کیا وزیر    محتاج ہیں اسی کے لیے، بخشی و امیر
منشی، وکیل، ایلچی متصدّی و مشیر    چاکر، نفر، غلام، تونگر، غنی، فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور    سیکھے اسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف، جلد ساز، مُلمّچی، کمان گر    زیں دوز، گل فروش، بساطی، سفال گر
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مُصلّے بچھا بچھا    جُبّے پہن کے، ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدّعا    عابد بھی، دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لیے

کیا مینے ساز کام کے، اور کیا مرصّع کار    حکّاک، کیا مصوّر و نقاش، زر نگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی، اور نہ اب لہار    سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ، اُچکے، چور، دغاباز، راہ مار     عیّار، جیب کترے، نظرباز، ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار     کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلّی بھی مارتی ہے چُہا، پیٹ کے لیے

بانکا سپاہی، خوب شجاعت میں بے جگر     وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
لڑتا ہے توپ، تیر، تفنگوں میں آن کر     کھاتا ہے زخم، خون میں ہوتا ہے تربتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا، پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا     عابد، نجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
ملا بھی دن گزارے ہے لڑ کے پڑھا پڑھا     شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا، پیٹ کے لیے

پڑھتے ہیں اب قرآن جو مردوں کا لے کے نام     پھولوں میں بیٹھ، کرتے ہیں پنج آیتیں تمام
دوزخ میں یا بہشت میں، مردے کا ہو مقام     کچھ ہو، پر اُن کو حلوے و مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے، جب اُن کو ملا پیٹ کے لیے

ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ     خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
کھانے کی ساری دوستی، کھانے کی ساری چاہ     دیکھا جو خوب غور سے ہم نے، تو واہ واہ
معشوق بھی کرے ہیں وفا پیٹ کے لیے

جس کا شکم بھرا ہے، وہ ہنستا ہے مثلِ پھول     خالی ہے جس کا پیٹ، وہ روتا ہے ہو ملول
جب تک نہ اس گڑھے میں پڑے آ کے خاک دھول     سوجھے دھرم، نہ دین، نہ اللہ، نہ رسول
جو جو کوئی کرے، سو بجا، پیٹ کے لیے

زردار، مال دار، گدا، شاہ، کیا وزیر     سردار، کیا غریب، تونگر ہو یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی جال میں اسیر     اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیرؔ
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لیے

# تلاشِ زر

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہے فدائے زر     جتنے ہیں، سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر
آنکھوں میں، دل میں، جان میں، سینے میں جائے زر     ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب، سوائے زر
جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

کتنے تو زر کو، نقشِ طلسمات کہتے ہیں     اور کتنے زر کو، کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے، خدا کی عین عنایات کہتے ہیں     کتنے، اُسی کو قاضیِ حاجات کہتے ہیں
جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

زر کے دیے سے، پیر اور استاد نرم ہو     زر کے سبب سے، دشمنِ ناشاد نرم ہو
جو شوخ سنگ دل ہے پری زاد، نرم ہو     زر وہ ہے جس کو دیکھ کے، فولاد نرم ہو
جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلا بتوں     میں اُس کے تار تار کی تعریف کیا کروں
ہو دست رس، تو چور اُچکّے کو کیا کہوں     میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اُس کو چھین لوں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں ماچین چیں سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں

دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں اور یاں سے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں وہ جدولیں، وہ رنگ، وہ سونے کے کام ہیں

جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں سب میں زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے ہر ایک امیدوار ہیں ان کے سلام کے

سب مل کے پاؤں چومے ہیں ان کے غلام کے کیا رُتبے ہیں طلائے علیہ السلام کے

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے، یا سرخ فام ہے لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے

سب میں زیادہ، حسن کی الفت کا دام ہے زر وہ ہے، جس کا حسن بھی ادنیٰ غلام ہے

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں کٹتے ہیں ہاتھ، پانو، گلے اور کلائیاں

بندوقیں اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں کل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں



جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے، کیا شاہ کیا وزیر پیر و مرید و مفلس و محتاج اور فقیر

سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی، میاں نظیرؔ

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

❁

# کوڑی کی فلاسفی

کوڑی ہے جن کے پاس وہ اہلِ یقین ہیں     کھانے کو ان کے نعمتیں سو، بہترین ہیں
پیڑے بھی ان کے تن میں نہایت مہین ہیں     سمجھیں ہیں اس کو وہ جو بڑے نکتہ چین ہیں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی بغیر سوتے تھے خالی زمین پر     کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین پر
پٹکے سنہری بندھ گئے جاموں کی چین پر     موتی کے گچھے ٹک گئے گھوڑوں کی زین پر

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو     رتھ خانہ، فیل خانہ، طویلا کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو     کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے     آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے     جو جان دے گزرتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں



گالی و ،ر کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے     شرم و حیا اُٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے     مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کتنے تو ہم میں ایسے ہیں کوڑی کے مبتلا     کوڑی ہو گندگی میں تو لیں دانت سے اٹھا
خست نہیں، ہے ایسا ہی کوڑی کا مرتبہ     کوئی دانت سے اٹھاوے ہم آنکھوں سے لیں اٹھا

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خاصے محل اُٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے     پکّے کوئیں کھداتے ہیں کوڑی کے زور سے
پُل اور سرا بناتے ہیں کوڑی کے زور سے     باغ و چمن لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لے مفلس اور فقیر سے تا شاہ اور وزیر     کوڑی وہ دلربا ہے کہ ہے سب کی دل پذیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر     کوڑی عجب ہے چیز، میں اب کیا کہوں نظیر

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

# سواریاں

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں — دلچسپ، دل فریب، پیاری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں — پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت، جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا — کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جابہ جا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سلا — اُس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی، جو تھے پہاڑ کے مانند تن سیاہ — جن پر کسیں عماریاں رخشندہ، رشکِ ماہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ — کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی، بنی تھی سنہری جو زر نگار — جھالر پہ جس کی، ہوتے تھے موتی پڑے نثار
لا، نالکی پہ موت نے جب کر لیا سوار — پھر وہ نہ پالکی، نہ وہ جھالر، نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں



تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن جن میں چھیل چھیل — بجتے تھے زنگ، اور تھے کلس ان کے جوں سہیل
رتھ بان نے اجل کے جوں ہی کر لیا دبیل — پھر کس کی چھتری پہیے کہاں، اور کہاں کے بیل

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھڑ بہل، فیل بہل، شتر بہل، راہ وار — ہرنوں کی بہل، بکری بہا، گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار — پھر بہل بان، نہ بہل، نہ جھنکار، نہ پکار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ، اور وہ چنڈول، بگھیاں — وہ پینسیں، وہ بوچے، وہ چوپالے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھڑ کھڑیے پر رواں — بوچا گیا، نہ ساتھ میانہ گیا، میاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار، جب اجل کا ہوا آن کر اسیر — گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جوان و پیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر — یہ بات تو عیاں ہے، کہوں کیا میاں نظیر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

# تندرستی

ہیں مرد اب وہی، کہ جنھوں کا ہے فن درست　　حرمت اُنھوں کے واسطے، جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال، دھن درست　　دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و حشمت پناہی ہے　　بن تندرستی، سب وہ خرابی، تباہی ہے
یہ تندرستی، یارو بڑی بادشاہی ہے　　سچ پوچھیے تو عین یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اُس کا بھرا ہے تمام گھر　　بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست، گرچہ یہ مفلس ہے سر بہ سر　　پھر، نہ کسی کا خوف، نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو، پر تندرست ہو　　بے زر ہو یا امیر ہو، پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو، پر تندرست ہو　　مفلس ہو یا فقیر ہو، پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست



اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں　　ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و ناں
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں، پھر تو ہاں　　پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں، اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو　　محتاج، حق سوا، یہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال و علم و ہنر گو ملا نہ ہو　　اک تندرستی چاہیے، کچھ ہووے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے　　اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے　　جو تندرست ہیں، وہی دولھا ہیں، اور بنے

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں　　پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں
کھانے کو نعمتیں ہوں، یا ہوں فاقہ مستیاں　　سب عیش اور مزے ہیں، جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چاہا جو دل نشے کو، تو ووں ہی منگالیا　　محبوب دل بروں کو گلے سے لگالیا
آیا جو عیش دل میں، خوشی سے اڑالیا　　جو مل گیا سو پی لیا، چاہا سو کھالیا

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے　　بازار، چوک، سیر تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے، اُٹھے، خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے　　جاگے مزے میں رات کو، یا خوش ہو سو رہے
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل　　جب تک یہ کل بنی ہے، تو ہے آدمی کو کل
گر ہو خدا نخواستہ اک کل بھی چل بچل　　پھر نے خوشی، نہ عیش، نہ کچھ زندگی کا پھل
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنا ہو یا غریب، تونگر ہو یا فقیر　　یا بادشاہ شہر کا، یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دل پذیر　　جو تو نے اب کہا، سو یہی سچ ہے اے نظیر
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

# خوشامد

دل، خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے　　آدمی، جن و پری، بھوت، بلا، راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش، باپ، چچا راضی ہے　　شاہ مسرور، غنی شاد، گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجیے　　اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجیے
اولیا، انبیا اور رب کی خوشامد کیجیے　　اپنے مقدور، غرض سب کی خوشامد کیجیے
جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام　　وہ بھی خوش ہو گیا، اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل، بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام　　خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی، جن کا خوشامد ہے مزاج　　جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں، ملک اور راج　　کیا ہی تاثیر کی اس نسخے نے پائی ہے رواج
جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے　　غیر کیا، اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا، سیتی ہے　　نانی دادی بھی خوشامد سے دعا دیتی ہے

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے: میاں آ ترے صدقے جاؤں　　ساس بولے: کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالا کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں　　سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد، وہ بڑے ہیں انساں　　جو نہیں کرتے، وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں　　جس نے یہ بات نکالی ہے، میں اس کے قرباں

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی　　پیار، اخلاص و کرم، مہر و مروت دیکھی
دلبروں میں بھی خوشامد ہی کی الفت دیکھی　　عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا، پیر ہے، زاہد ہے، مناجاتی ہے　　جواریا، چور، دغاباز، خراباتی ہے
ماہ سے ماہی تلک چیونٹی ہے یا ہاتھی ہے　　یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے



گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی بھی خوشامد کیجیے　　کچھ نہ ہو پاس تو خالی بھی خوشامد کیجیے
جانی دشمن ہو تو اس کی بھی خوشامد کیجیے　　سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں، خرد و کلاں، پیر و فقیر　　جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا، شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر　　تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

# حضرت سلیم چشتی کا عرس

ہے یہ مجمع نکو سرِشتی کا    ذکر کیا یاں گنہ کی زِشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا    فخر ہے حرفِ سرنوشتی کا
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

باغِ جنّت ہے آج یہ درگاہ    پھول پھولے ہیں فیض کے دل خواہ
دیکھو رضواں، بہار یاں کی، واہ    دل میں کہتا ہے دم بہ دم واللہ
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

یہ تجلّی نہ سیم و زر سے ہے    ابرِ رحمت کا نور برسے ہے
حور و غلماں کی روح ترسے ہے    اور اشارہ یہی نظر سے ہے
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ اور بستاں    اور وہیں زوّار سب گل و ریحاں
جی میں سب پھول پھول ہوشاداں    یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا



بس کہ خلقت بھری ہے لالوں لال    گھر مکاں ہے گلوں سے مالا مال
حسن، راگ اور مشائخوں کے حال    بھیڑ، غُل، شور، اور یہ قال مقال
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اُٹھاتے ہیں    کتنے جھرنے میں جانہاتے ہیں
کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں    کتنے خوش ہو یہی سناتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ، انبوہ، حلق کی تکثیر    بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جواں، غریب و فقیر    پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے واں سیم تن بھی پھرتے ہیں    غنچہ لب، گل بدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گل پیرہن بھی پھرتے ہیں    دل رُبا، دل شکن بھی پھرتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں    کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے الفت کے تخم بوتے ہیں    کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

جانشیں ہیں جو صاحب مسند عارف الحق میاں علی احمد
اُن کی خوبی نظیر ہے بے حد سب پکارے ہیں خلق بے حد وعد
رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

❁

# گرونانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں، وہ پورے ہیں آگاہ گُرو  وہ کامل رہبر جگ میں ہیں، یوں روشن، جیسے ماہ گُرو
مقصود، مراد، امید، سبھی برلاتے ہیں دل خواہ گُرو  نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گُرو
اس بخشش کے، اس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

ہر آن دلوں وِچ یاں اپنے جو دھیان گُرو کا لاتے ہیں  اور سیوک ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گُر اپنی لطف و عنایت سے سُکھ چین انھیں دکھلاتے ہیں  خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں، سب تن کا کاج بناتے ہیں
اس بخشش کے، اس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اُس خوبی کا ارشاد کیا  ہر بات وہ ... اُس خوبی کی تاثیر نے جس پر صاد کیا
یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا  ہر آن گُرو نے دل اُن کا خوش وقت کیا اور شاد کیا
اس بخشش کے، اس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وِچ ہے یادِ گُرو سے کام لیا  سب مَن کے مقصد بھر پائے، خوش وقتی کا ہنگام لیا
دُکھ درد میں اپنے دھیان لگا، جس وقت گُرو کا نام لیا  پل بیچ گُرو نے آن انھیں خوش حال کیا اور تھام لیا
اس بخشش کے، اس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

یاں جو جودل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں     وہ اپنے لطف وشفقت سے نت ہاتھ انھوں کے گہتے ہیں
دکھ دور انھوں کے ہوتے ہیں، سوسکھ سے جگ میں رہتے ہیں     الطاف سے ان کے خوش ہوکر، سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
اس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

جو ہر دم ان سے دھیان لگا، امید کرم کی دھرتے ہیں     وہ ان پر لطف وعنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انھوں کے بھرتے ہیں     آنند، عنایت کرتے ہیں، سب من کی چنتا ہَرتے ہیں
اس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

جو لطف وعنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُن کا ہو     وہ لطف وکرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وو
الطاف جنھوں پر ہیں ان کے سو خوبی حاصل ہے اُن کو     ہر آن نظیر اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ کہو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو، اور ہر دم بولو واہ گرو

# بانسری

جب مرلی دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری     کیا کیا پریم میت بھری اُس میں دُھن بھری
لے اس میں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھری     لہرائی دھن جو اُس کی ادھر اور اُدھر ذری
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اس کی سننے سے دُھن، ہو گئے دُھنی     کتنوں کی سدھ بسر گئی جس دم وہ دُھن سنی
کتنوں کے من سے کل گئی اور بیاکلی چنی     کیا نر سے لے کے ناریاں کیا کوڑھ کیا گنی
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس آن کانھا جی کو وہ بنسی بجاوَنی     جس کان میں وہ آوَنی، واں سدھ بھلاوَنی
ہر من کی، ہو کے موہنی اور چت لبھاوَنی     نکلی جہاں دُھن اس کی وہ میٹھی سہاوَنی
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

گوالوں میں، نندلال بجاتے وہ جس گھڑی     گوئیں دُھن اس کی سننے کو رہ جاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اس کی دُھن بڑی     لے لے کے اپنی لہر جہاں کان میں پڑی
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بنسی کو مرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر     پھیلی دُھن اُس کی زور، ہر اک دل میں کر اثر
سنتے ہی اس کی دُھن کی حلاوت ادھر ادھر     منہ چنگ اور نے کی دھنیں، دل سے بھول کر

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُس کی چاہ     کرتی دُھن اس کی پنچھی بنو ہی کے دل میں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام، کیا پگاہ     پڑتے ہی دُھن وہ کان میں، بلہاری ہو کے واہ

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اس کی دھن کے لیے رہتے بے قرار     کتنے لگائے کان اُدھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار     آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام جی مُرار

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

موہن کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن     لے اس کی من کی موہنی، دُھن اس کی چت ہرن
اس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بچن     کیا چل پون نظیر، پکھیرو و کیا ہرن

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

❁

# عیدالفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی     اور زاہدوں کو زُہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی     کچھ دل بروں کے وصل کی، کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

روزے کی خُشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال     خوش ہوگئے وہ، دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد، سنہری، سفید، لال     دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے     شیر و شکر، سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے     لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے اُلٹ پلٹ     ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دلبروں کے بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ     عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کاجل، حنا، غضب مسی و پان کی دھڑی  پشوازیں سرخ، سوسنی، لاہی کی، پھل جھڑی
کُرتی کبھی دکھا کبھی انگیا کسی کڑی  کہہ "عید عید" لُوٹے ہیں دل کو گھڑی گھڑی

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

جو جو کہ ان کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ  جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عید گاہ
توپوں سے شور، اور دوکانوں کی رسم و راہ  میانے، کھلونے، سیر، مزے، عیش، واہ واہ

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر  تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر  دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیرؔ

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

# عیدگاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں  تانتے بندھے ہیں مسجدِ جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں  سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آبادلا، زری  پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن ذری ذری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری  ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ  صحن چمن ہے جتنی ہے سب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ  دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار  خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار  غل شور بالے بھولے کھلونوں کی ہے پکار

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں  پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اُڑس لیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کسلیاں  ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر — ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر — ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیرؔ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

# ہولی

آ جھمکے عیش وطرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے — ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے — دف، رنگیں، نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا — سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا، دکھلانا سج دھج شوخی کا — ہر گالی، مصری قند بھری، ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے، تال بجے، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی — کچھ جھڑیں بین ربابوں کی، کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھمی اور منہ چنگ بجی — کچھ گھنگھرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے — اور ڈھیر عبیروں کے لاگے، سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے — منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں — رخسار گلالوں سے گلگوں، کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں، کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں — کچھ کودیں ہیں، کچھ اچھلیں ہیں، کچھ ہنستے ہیں، کچھ بکتے ہیں
یہ طور، یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو پیاروں کی ہر جانب نو کا جھونکی ہے　　کچھ آن رنگیلی چلتی ہے، کچھ بان ادھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری، کچھ گھات لگاوٹ خوکی ہے　　کچھ شور اہاہا کا ہے کچھ دھوم اہو ہو ہو کی ہے

یہ عیش، یہ حظ یہ کام، یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے، کہیں چلتی مے کی پیالی ہے　　کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں، دل شاداں، منہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش و مسرت کی، خوش وقتی اور خوش حالی ہے　　کچھ بولی ٹھولی پیار بھری، کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے

ان چرچوں کا، ان چہلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں　　کر باتیں ہر دم چہل بھری، خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں، کچھ کامنیوں کی گاتے ہیں　　کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے ہیں، کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

# ہولی کی بہاریں

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　خم شیشے، جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا، بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے　　کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے　　کچھ طبلے کھڑکیں، رنگ بھرے، کچھ عیش کے دم منھ چنگ بھرے

کچھ گھنگھرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا　　وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا　　اس عیش و مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا

کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو　　کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
منہ لال، گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو　　اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو

سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو　　منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو، ہر آن بجاتی تالی ہو　　مے نوشی ہو، بیہوشی ہو، بھڑوے کے منہ میں گالی ہو

بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویّوں کے لڑکے — ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑلڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑاڑ کے — کچھ لچکے شوخ کمر پتلی، کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑ کے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکّر ہو — اس کھینچا کھینچ گھسیٹی میں بھڑوا رنڈی کا پھکّڑ ہو
معجون، شرابیں، ناچ، مزا اور ٹکیا، سلفا، لکڑ ہو — لڑ بھڑ کے نظیرؔ بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

❁

# بلدیو جی کا میلا

کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے — ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
موتیا ہے، چنبیلی بیلا ہے — بھیڑ انبوہ ہے، اکیلا ہے
شہرٗ، قصباتی اور گنویلا ہے — زر، اشرفی ہے، پیسہ دھیلا ہے
ایک، کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے — بھیڑ ہے، خلقتوں کا ریلا ہے
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں یار اور کہیں اغیار — کہیں عاشق ہے اور کہیں دل دار
کہیں بستی ہے اور کہیں گلزار — کہیں جنگل ہے اور کہیں بازار
وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار — اس کی لیلائیں کس سے ہوں اظہار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار — آپ کہتا ہے یوں پکار پکار
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن — کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں بارا کہیں مدن موہن — کہیں بل دیو اور کہیں ہے کشن

سب سروپوں میں ہیں اسی کے جتن　　کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن ٹھن　　کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں سے ٹھٹھ لگے ہیں آ　　جو کہ تل دھرنے کو نہیں ہے جا
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا　　باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا　　لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
بھیڑ، انبوہ اور دھرم دھکا　　جس طرف دیکھیے اہا ہاہا
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں　　آ کے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں　　اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
جھانجھ، مردنگ، دَف بجاتے ہیں　　راس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں　　سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

نازنیں ہی وہ سانوری، گوری　　جن کی نازک ہر اک پری پوری
کر کے چتون نگاہ کی ڈوری　　دل کو چھینے ہیں سب برازوری
دھوم، ناز و ادا، جھکا جھوری　　برج میں جیسے مچ رہی ہوری
گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری　　چوری کیسی کہ صاف سر زوری
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے



کنڈ پر بھی نہان ہوتے ہیں　　جس میں گنگا برن کے سوتے ہیں
پانی سے ہاتھ منہ کو دھوتے ہیں　　کتنے کنٹھی کھڑے پروتے ہیں
کتنے جا کر بنوں میں سوتے ہیں　　بندروں میں چنوں کو بوتے ہیں
ان بہاروں میں ہوش کھوتے ہیں　　سو مزے، سو تماشے ہوتے ہیں
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلا　　اس کا گنبد ہے عالم بالا
ہو رہا جھانکیوں کا اجیالا　　پردے، جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا　　کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا　　کوئی جے جے کرے ہے دھن والا
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

ہے جو مندر میں آپ وہ لالن　　ہر گھڑی میں بدل رہی ہے برن
نئی پوشاک اور نئے بھوجن　　نئی جھانکی ہے اور نئے درشن
آرتی کی کہیں مچی ٹھن ٹھن　　کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
تال، مردنگ، جھانجھ کی جھن جھن　　خاص پرشاد مصری اور ماکھن
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں　　پھول گیندوں کے، ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار، پھلجھڑیاں　　کہیں کھلتی ہیں دل کی گل جھڑیاں

کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں — کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش و عشرت کی لٹ رہی دھڑیاں — دال موٹھیں، منگوچی اور بڑیاں
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

کیا مچی ہے بہار، جے بل دیو — عیش کے کاروبار، جے بل دیو
دھوم لیل و نہار، جے بل دیو — ہر کہیں آشکار جے بل دیو
ہر زباں پر ہزار جے بل دیو — دم بہ دم یادگار جے بل دیو
کہہ نظیر اب پکار جے بل دیو — سب کہو ایک بار جے بل دیو
رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بل دیو جی کا میلا ہے

# دِوالی کا سامان

ہر اک مکاں میں، جلا پھر دیا دوالی کا — ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا — سبھی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار — کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونوں، کھیلوں، بتاشوں کا گرم ہے بازار — ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھو کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دُکانیں لگا کے حلوائی — پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاشے لے کوئی، برفی کسی نے تلوائی — کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آ گیا دوالی کا

صرَف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار — انھوں نے کھایا ہے اُس دن کے واسطے ہی اُدھار
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک اک بار — دوالی آئی ہے سب دے، چلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی — جلا چراغ کو، کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے ان میں تو جان سی آئی — خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری  جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری  کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانکی موٹھ نے مارا  کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ سے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کردیا زارا  لنگوٹی باندھ کے بیٹھا، ازار تک ہارا
یہ شور آکے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار، وے بھڑوے  بہو کی نوگرہی، بیٹے کے ہاتھ کے گھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہے ہیں سو کھڑوے  نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خدا نے تجھ کو تو شہدا کیا دوالی کا

وہ اس کے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے ماروں گا  ترا جو گہنا ہے سب تار تار اتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا  یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے  کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اس نے جورو کی نتھ اور ازار اتاری ہے  اِزار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے  تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے ان پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے  اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے ان کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں، نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو  نصیحتیں ہیں، انھیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو  جو جواری ہو، نہ برا اس کا مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

## راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی  سنہری، سبز، ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی  سلونوں میں عجب رنگیں ہے اس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل، لو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی میں، چمن بھی، گل بھی، شبنم بھی  جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہا ہاہا غنیمت ہے یہ عالم بھی  اٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا، ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمھاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو  ہر اک گلرو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو  یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے  ولیکن تم سے اے جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
دوانی بلبلیں ہوں دیکھ، گل چننے لگے تنکے  تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی، چمن کی، باغ کی، گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں  کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہونچے، اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں  چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخِ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہردم حسن کے تارے    تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اُپر بارے    نظیرؔ آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

## بسنت

جب پھول کا سرسوں کے، ہوا آ کے کھلنتا    اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا    اور ہنس کے کہا یار سے، اے لکڑ بھونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کے، منگا یار سے بجرا    دس من کا لیا ہار گندھا، آٹھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا    جا یار سے مل کر یہ کہا، اے مرے رجرا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار    اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھون کی مقدار
آنکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دھواں دھار    جو سامنے آتا تھا، یہی کہتے تھے للکار
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ    ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں اپڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منہ کے تئیں بھیڑ    ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آ چھیڑ
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا    دھونسے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا    ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج، اہاہا — دل شاد ہیں ادنا و فقیر آج. اہاہا
بلبل کی نکلتی ہے صفیر آج، اہاہا — کہتا یہی پھرتا ہے نظیرؔ آج، اہاہا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

## برسات کی اُومَس

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُومس — گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُومس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُومس — ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر شہر ہے اُومس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

ایدھر تو پسینوں سے بڑی بھیگی ہیں کھاٹیں — گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اسے آٹیں — ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

رُکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال — پنکھا کوئی، آنچل کوئی، دامن کوئی، رومال
دم دھونکنے لگتا ہے، لہاروں کی گویا کھال — کچھ روح کو بے تابیاں، کچھ جان کو جنجال
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

ہوتی ہے اُومس جو کبھی اک رات کو آ کر — کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسو و مچھر — پانی کوئی پیوے تو ادھن سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ　　مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے، گل بھی کھلے، سبز چراگاہ　　اُومس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

# برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں　　سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں　　ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں　　جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں　　گلزار بھیگتے ہیں، سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں　　گل پھول جھاڑ بوٹے، کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہے ہیں　　اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں　　جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں
کر شور، مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بلاویں　　پی پی کریں پپیہے، مینڈک ملار گاویں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے　　قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے　　بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ، کچھ ابر کی سیاہی   اور چھا رہیں گھٹائیں سرخ اور سفید، کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی   یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یارب سامان، تیری قدرت   بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت   تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کویل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا   اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا   یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں، قمری پکارے کوکو   پی پی کرے پپیہا، بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق، کیا فاختوں کی ہو ہو   سب رٹ رہے ہیں تجھ کو، کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹیں ہیں رات ساری   جو غم میں ہیں انھوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری   چھاتی پھٹے ہے ان کی جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں ان کے جوڑے مہک رہے ہیں   جھولوں میں جھولتی ہیں، گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو ان کے سینے پھڑک رہے ہیں   آہیں نکل رہی ہیں، آنسو ٹپک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری   ہر بوند مارتی ہے سینے اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری   ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں



ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی   رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی   اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس ہی میں چھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کرکے پھیرا   مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی، کسی کو ہے درد و غم نے گھیرا   منہ زرد، بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں   باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھو رہے ہیں   جھولے کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے   پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے   سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ، غریب، کنگلے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا   یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا   مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے   دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے   مفلس تو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا   اٹھ کے ہے ان کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا   کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا    گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری، کوٹھا ندان ٹپکا    باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بھوٹی، ٹیلوں اوپر بھتورے    پسوے، مچھروں سے، روئے کوئی بسورے
بچھو کسی کو کاٹے، کیڑا کسی کو گھورے    آنگن میں کنسلائی، کونوں میں کنکھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھنسی کسی کے تن میں، سر پر کسی کے پھوڑے    چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹھ میں ددوڑے
کھاپوریاں، کسی کو ہیں لگ رہے مروڑے    آتے ہیں دست جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے    سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے    اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی    گلنار یا گلابی یا زرد، سرخ، دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی    جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے    یا ساتھیوں میں اپنے پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر، برسیں ہیں تھوڑے تھوڑے    بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم، میدے کی جیسے لوئی    وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھریں ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی    ہے ان کے سر پہ سرکی یا بوریے کی کھوئی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں



کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ پٹو    جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے ان پہ لٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں، کتنوں کے گھوڑے ٹٹو    جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں    ہے ان کے سر پہ چھتری، ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں    ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا    اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں نون تیل لانا    ہے سر پہ ان کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی اپنے محبوب سیمبر سے    اس مینھ میں نہ جاؤ پیارے ہمارے بر سے
کوئی کہے ہے اپنے دلدار خوش نظر سے    ہاتھوں سے میرے جانی کھالو یہ دو اندر سے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی، پیاری جو کچھ کہو سو لادیں    زردوزی ٹاٹ بافی جوتا کہو پنھادیں
پیڑا، جلیبی، لڈو جو کھاؤ سو منگا دیں    چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگا دیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رُت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں    شہر و دیار و کوچہ، بازار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ، بوٹے، کہسار بھیگتے ہیں    عاشق نہا رہے ہیں، دلدار بھیگتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

شیشہ کہیں گلابی بوتل جھمک رہی ہے    رابیل موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے    پائے کھٹک رہے ہیں، پٹی چٹک رہی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے      وہ دیکھ ان کی الفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
لے ان کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں دھر نچوڑے      چیرا کوئی سکھاوے، جامہ کوئی نچوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جاز میں پھسلنی      مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں، پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی      جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رت وہ ہے کہ جس میں خورد و کبیر خوش ہیں      ادنیٰ، غریب، مفلس، شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم، عاشق، اسیر خوش ہیں      جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیرؔ خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

# جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی      اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی      پالا بھی، برف پگھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

چلا خم ٹھونک، اُچھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو، اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی      تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور، پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو، سی سی، سی سی کی      کلّے پر کلا لگ لگ کر، چلتی ہو منہ میں چکّی سی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر      جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو، ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں، اور برف پگھلتا ہو پتھّر      جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو، اور تس پر لہریں لے لے کر

سناٹا باؤ کا چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو، اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا      اور تن میں نیمہ شبنم کا، ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا، اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا      ہاتھوں میں پیالہ شربت کا، ہو آگے اک فراش کھڑا

فراش بھی پنکھا جھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل، تب زور مزے کی گھاتیں ہوں      کچھ نرم بچھونے مخمل کے، کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی، چٹکی، لاتیں ہوں      کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں، کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں

دل عیش و طرب میں پلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا، اور پردے چھوٹے ہوں آ کر      اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن، اور تس پر

وہ دلبر، شوخ، پری، چینچل، ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر  ریشم کی نرم نہالی پر، سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر

پہلو کے بیچ مچلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی، اور کافر ناچنے والے ہوں  منہ ان کے چاند کے ٹکڑے ہوں، تن ان کے روئی کے گالے ہوں

پوشاکیں نازک رنگوں کی، اور اوڑھے شال دوشالے ہوں  کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں، کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں

پیالے پر پیالہ چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو  وہ جان کہ جس سے جی غش ہو، سو ناز سے آ جھنکاری ہو

دل، دیکھ نظیرؔ اس کی چھب کو، ہر آن ادا پر واری ہو  سب عیش مہیا ہو آ کر، جس جس ارمان کی باری ہو

جب سب ارمان نکلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

# تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے  مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے

خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے  روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے

نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں  پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں

سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں  ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں

جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند  گرد اس کے گمزیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند

اور وہ کلس جو ہے سرِ گنبد سے سربلند  ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند

ہر ماہ جس کے خم پہ مہہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس  وہ بھی برنگِ سیم چمکتے ہیں خوش اساس

برسوں تک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس  آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس

ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے، وہ دو مرقدیں جو، یاں  گرد اُن کے جالی اور مجحّر ہے دُرفشاں

سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں  پتی، کلی، سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں

جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں، نازک عجب نگار     آئینے بھی لگے ہیں مجلّی ہو تابدار
دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار     ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار ہے

پہلو میں ایک برج، بسی کہتے ہیں اُسے     آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے     پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا     آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا     ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی، ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن     کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن     گلنار لالۂ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں، رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہجہاں، صاحبِ سریر     بنوایا ہے انھوں نے اگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے، اس کے یہ ہوتا ہے دلپذیر     تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیرؔ
اس کی صفت تو مشتہرِ روزگار ہے

# گلہری کا بچّہ

لیے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچّا گلہری کا     ہر اک استاد کے رہتا ہے گھر بچّا گلہری کا
ولیکن ہے ہمارا اس قدر بچّا گلہری کا     دکھاویں ہم کسی لڑکے کو گر بچّا گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچّا گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن     کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن     گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں بھر بچّا گلہری کا

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو     کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو وہ
کہا اُس نے کہ "ہاں اس ڈھب کے استادوں کو لے آؤ     سو نو کر اُس کا سب میں ڈھونڈھ چن کر لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اُس دم کچھ مگر بچّا گلہری کا

وہ دیکھے تو بُری صورت برا حال اور پھٹے کپڑے     بڑھے داڑھی کے بال اور زرد منھ آنکھوں میں آنسو سے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ اور ٹکڑے انگر کھے کے     وہ کپڑے گو پھٹے تھے ہم پر اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچّا گلہری کا

جو ہیں اتنے میں ہم کو اس برے احوال سے دیکھا     کہا اُس نے کہ پھنستا ہوگا ان سے کس طرح لڑکا
نظر سے اُس کی میں نے جب تو واں اس بات کو تاڑا     کمر کو دیکھ ڈھونڈھی جیب پگڑی کو ٹٹول اُس جا
وہی ہم نے نکالا ڈھونڈھ کر بچّا گلہری کا

کہیں بیٹھا تھا واں اُس کا برس بارہ کا اک لڑکا　　وہ گورا گدگدا بچا پری سا چاند کا ٹکڑا
جو ہیں اُس نے وہ بچا آہ یارو اک نظر دیکھا　　وہیں لٹو ہو کر بولا ''یہی لوں گا یہی لوں گا

بٹھا دو جلد میرے ہاتھ پر بچّا گلہری کا

یہ کہہ کر بے قراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو　　وہیں گھبرا کے آ پہونچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو
لگا سو منتوں سے مانگنے وہ یہ تو ہم کو دو　　وہ باپ اُس کا پکارا ہاں نکالو جلدی سے ان کو

غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچّا گلہری کا

# ریچھ کا بچّہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچّا　　لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچّا
سو نعمتیں کھا کھاکے پلا ریچھ کا بچّا　　جس وقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ کا بچّا

جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا　　لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پر چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا　　بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا

آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر　　ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر　　وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر

جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچّا

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول　　مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اُپر جھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول　　یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول

گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچّا

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں　　اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی قطاریں　　غل شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں

جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچّا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر　　وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر''
ہم اُن سے یہ کہتے تھے ''یہ پیشہ ہے قلندر　　ہاں چھوڑ دیا بابا اُنھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچّا

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا　　لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تیئں گت پہ بجایا　　اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچّا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ　　پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ!
ہر چار طرف سیتی کہیں پیرو جواں واہ　　سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچّا

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد　　کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تیئں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا ''خدا تم کو رکھے شاد''　　اور کوئی کہتا تھا ''ارے واہ رے استاد
تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچّا

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا　　خم ٹھوک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا　　جو چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچّا

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا　　للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتھاڑا
گہہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہہ اُس نے پچھاڑا　　اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچّا

یہ داؤ میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر　　یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر　　جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منھ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچّا



کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ 'اہاہا!　　اس کے تمھیں استاد ہو واللہ، اہاہا!
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہاہا!　　کیا کہیے غرض آخرش اے واہ اہاہا!''
ایسا تو نہ دیکھا، نہ سنا ریچھ کا بچّا

جس دن سے نظیرؔ اپنے تو دلشاد یہی ہیں　　جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں ''وہ صاحب ایجاد یہی ہیں　　کیا دیکھتے ہو تم کھرے استاد یہی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچّا

❁

# اژدہے کا بچّا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچّا    اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچّا
مینا، بیا، لٹورا، اور ابلقے کا بچّا    تیتر بٹیر سارس شکرے لوے کا بچّا
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا    یا روکھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا
پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا    اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہے بلیا
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پُرانا    سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہم کو کھانا
اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا    اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ برا زمانا    آج اس کو سر پہ رکھ کر سب شہر ہم نے چھانا
اب بھی بکا تو بہتر، نہیں پھر پڑے گا لانا    ہے اس سے ہی ہماری نت روٹی کا ٹھکانا
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا



ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لے جاویں    تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
کچھ بن نہیں ہے آتا یہ دکھ کسے سناویں    جی چاہتا ہے اب تو یہ شہر چھوڑ جاویں
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

سو من گیہوں کا ہر دن کھانے کو کہاں سے آوے    اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے    شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے    ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے
جب تنگ ہووے روزی کون اژدہے کو پالے    اس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

لو دس ہزار تک تو چھونے اسے نہ دیں گے    اتنے روپے تو اس کے اک پر کے ہم نہ لیں گے
ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے    اسی ہزار دے گا تو ہم بھی دے چکیں گے
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

سب اُٹھ گئے جہاں سے وہ تھے جو لوگ جسیا    وہ رہ گئے ہیں جن کے گھر میں نہیں ہے ہنسیا
اس بات کو تو عمدہ ہو بھوک کا بلسیا    جو اژدہے کو پالے ایسا ہے کون رسیا
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا     سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا     سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا"
سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو لو اژدہے کا بچّا

❁

# بیا

اب ہاتھ پر مرے جو نمودار ہے بیا     زردی میں اپنے رنگ کی زردار ہے بیا
خوباں کے دیکھنے کا طلب گار ہے بیا     عاشق دلوں کی گرمی بازار ہے بیا
جتنے بئے ہیں، سب میں یہ سردار ہے بیا

جس دن سے میرے ہاتھ یہ عیار ہے لگا     کیا کیا پری رخوں کی بہاریں ہیں دی دکھا
کوڑی کبھی اُٹھا، کبھی مہندی اتار لا     چیٹی سے اُس کی یارو یہ ڈور انہیں بندھا
لڑکوں کی اُلفتوں میں گرفتار ہے بیا

کرنے کو دید جب سے لیا ہے یہ ہم نے مول     پھرتے ہیں ساتھ تب سے کئی دلبروں کے غول
چھلاّ انگوٹھی لاتا ہے ہر دم گرہ سے کھول     پانی کنویں سے کھینچے ہے کر پوستوں کے ڈول
ایسا ہنر میں اپنے نمودار ہے بیا

گر یہ تماشے پر کبھی اپنے اتر پڑے     لڑکے امیروں کے پھریں ادھر اُدھر پڑے
پر مجھ کو یہ یقیں ہے اگر ٹک نظر پڑے     ہاتھی سے بادشہ کا بھی لڑکا اُتر پڑے
ایسا ہمارے پاس یہ تیار ہے بیا

آگے ہمارے پاس تھا بچا گلہری کا     طوطا، نیبٹی، اور تھا بگلا سدھا ہوا
اُن کو تو ہائے چور کوئی لے گیا چرا!     اب اس کا ہے ہمارے تئیں، یارو، آسرا
اس بے کسی میں اب تو مدد گار ہے بیا

گر یہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو اومیاں　　پوچھے تھا کون ہم سے غریبوں کی بات یاں
اس دردوغم میں حق کے سوااب تو اس مکاں　　اپنا نہ کوئی دوست، نہ مشفق، نہ مہرباں
گر ہے تو اب جہاں میں یہی یار ہے بیا

لڑکا جو کوئی شوخ ہٹیلا ہو اُچپلا　　پھنستا نہ ہو کسی سے کسی جال میں جو آ
یارو یہ وہ بیا ہے، دیا جس گھڑی دکھا　　بس دیکھتے ہی آن میں لٹو ہو آملا
کافر یہ اس طرح کا جھمک وار ہے بیا

کرتا ہے آ کے بندی وٹیکی پہ جب یہ چوٹ　　بالوں کی لٹ دکھاؤ تو لاوے وہیں کھسوٹ
بوڑھوں کا دل تماشے میں ہوتا ہے جس کے لوٹ　　لڑکا تو ایک دم میں ہو بس دیکھ لوٹ پوٹ
یہ تو کہیں کا زور طرح دار ہے بیا

جب مانگتا ہے مجھ سے بہت ہو کے بیقرار　　کہتا ہوں اُس سے جب تو میں "اے شوخ گل عذار
یہ کیا بیا ہے اس کو نہ لو پیارے زینہار　　گر ساتھ میرے آؤ تو دکھلاؤں تم کو یار
اس سے بھی اور ایک مزے دار ہے بیا"!

اس دم کے بیچ جب وہ پری زاد لگ چلا　　پھر وو نہیں کوڑیوں کا دیا جھاڑ اُسے دکھا
بوسے بھی خوب لے لیے مطلب بھی کرلیا　　اور یوں کہا کہ جان نہ تم ماننا بُرا
میری خطا نہیں یہ گنہہ گار ہے بیا"

یہ سن کے مجھ سے کہتا ہے جب ہو کے وہ خفا　　لو اب بیا تو دو مجھے، ہونا تھا سو ہوا
تب ہاتھ جوڑ اس کو یہ دیتا ہوں میں سنا　　تم کو تو ایسے لاکھ ملیں گے اے دل ربا
مجھ کو تو ملنا پھر کہیں دشوار ہے بیا"

ایسے بئے تو لاکھوں کروں تم پہ میں نثار　　لے جا کے اس کو تم کہیں ڈالو گے مفت مار
اور مجھ غریب کا تو اسی پر ہے روز گار　　ہردم اسی کا اس سے ہی چلتا ہے کاروبار
سچ پوچھیے تو میرا یہ بیوپار ہے بیا"



ایسا بیا ہے اب تو نسزا وار دل پذیر　　لڑکے جہاں تلک ہیں پری زاد بے نظیر
کیا شوخ، کیا شریر، غریب اور کیا امیر　　سب منتوں سے کہتے ہیں آ کر میاں نظیرؔ
اک دو گھڑی تو ہم کو یہ درکار ہے بیا"

# غزلیں

## (۱)

دل ہوا جس روز بسمل ابروئے دلخواہ کا — تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

جس نے دیکھا وہ رُخِ انور تو اس کو عمر بھر — پھر نہ روئے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

ایک دن آگے خلیلؑ اللہ کے اک شخص نے — یک بیک آ کر لیا منہ سے جو نام اللہ کا

اُس خلیل اللہ نے سنتے ہی آ کر شوق میں — سب دیا اس کو جو تھا اسباب عز و جاہ کا

اور کہا اے شخص پھر بہرِ خدا یہ نام لے — میں بجاں مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا

گر وہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقین — جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا

حاصل اس کہنے کا اُس کی چاہ کچھ آساں نہیں — جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اُس کی چاہ کا

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بت اے نظیر
جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

## (۲)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا — یارب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا

لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ — ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا

افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات — اور روئے زمیں پر گل و ریحان تماشا

جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر — انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا

جب حسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ — کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں — رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا

گر عشق کے کوچے میں گزر کیجیے تو واں بھی — ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا

منہ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک — غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

## (۳)

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا — ہے طرفہ روز گار طرب زا بسنت کا

باغوں میں لطفِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں — بزموں میں نغمہ خوش دلی افزا بسنت کا

پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں — ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا

جا در پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبح دم / اے جاں، ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا

تشریف تم نہ لائے جو ہو کر بسنتی پوش / کہیے، گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا

سنتے ہی اس بہار سے نکلا، کہ جس کے تئیں / دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا

اپنا وہ خوش لباسِ بسنتی دکھا، نظیر / چمکایا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا

## (۴)

جہاں میں جو نہ ہوا اُس پری کا دیوانہ / تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا

کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیر / یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا

تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں / کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا

جو ہم نہ ہوویں تو آ کر ہمارے کوچے میں / یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آ کر ہزار منت سے / خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو / خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا



## (۵)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا / منہ سے جلاد فلک کے بھی اہا ہا نکلا

آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے / آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا

یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثلِ انار و مہتاب / جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا

کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک / جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا

غم میں ہم بھان متی بن کے جہاں بیٹھے تھے / اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا

سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے / شعلے پر شعلے بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر / دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

## (۶)

اُس کے شرارِ حسن نے شعلہ جو اک دکھا دیا / طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اُسی کے رو برو / اُس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثلِ ابر و برق / اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہاتھ میں / چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں / تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بُروں سے کس لیے ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا
سن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیر
چل بے زیادہ اَب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

## (۷)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں
ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے اُدھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں
ستم ہے کن انکھیوں سے گرتاک لیجیے غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں
نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں
جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ ابھی سر اُڑے گا اگر دیکھتے ہیں
مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں
چھپا کر، دغا کر، نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں



## (۸)

حسن وفا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو
ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو
تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو
چاہت کی دُھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو
مشکل ہے وہ [illegible] اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

## (۹)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے
وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے
تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے
ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بے قرار سن کے وہ ہم راز بولا اس بت طناز سے
میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اس کا نظیر اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے
تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں اور سوا اس کے مرا ڈرتا ہے جی غماز سے
سن کے یہ ہم راز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

## (۱۰)

رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی — ہمیں تو چاہیے اے جاں تمھارے دل کی خوشی
ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے — لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی
یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو — نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی
نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز — اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی

گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیر اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

# فرہنگ

### نام اللہ کا

ثابت : ستارے
مطلق : سیارے
محق : ختم ہو جانا، مٹ جانا
ازرق : نیلا
غرے : گھمنڈ، غرور

### تو صاحب سب کا سچا ہے

تنگری : ترکی زبان میں خدا کو کہتے ہیں
دھم کھچا : ٹھاٹ باٹ
الکھ : غائب، جو دیکھنے میں نہ آئے
ڈبرے : جھیل
جوہڑ : تالاب
ناکا : گھڑیال کی قسم کا ایک جانور
انبر : امربیل
جی جنت : جانور، جیو جنتو

### طفلی

ددا : بچہ کو کھلانے پلانے والی پلازمہ
ہاتھ اوٹنا : ہاتھ پھیلانا
گھوٹنا : گھولنا
آس : بال بچے

### بڑھاپا

اسواری : سواری
جد : جب

### آدمی نامہ

بے نوا : محتاج
کہاتا : مشہور
برملا : کھلم کھلا
شنگ : طرحدار
مرید : شاگرد

### روپے کی فلاسفی

رے : رونق
چلبی : اشرفی، سونے کا سکہ

روپ : چاندی کا روپیہ

## بنجارا

گونی : ٹاٹ کا بڑا تھیلا

سربھارا : ایک قسم کا تھیلا

داکھ : کشمش

بانڈا : گھومنا، پھرنا

## مکافاتِ عمل

مکافاتِ عمل : دنیا کی نیکی بدی دنیا میں ہی آگے آتی ہے

## کلجگ کا بیان

بسیکھا : یہ بھی دیکھا وہ بھی دیکھا

## مذمت بخل

خندی : نہسوڑ، بدچلن عورت

## تن کا جھونپڑا

نمانے : جسے کوئی غرور نہ ہو

## پیٹ کی فلاسفی

صحاف : کتاب کی جلد بنانے والا

ملمچی : جو ملمع کا کام کرتا ہو

حکاک : نگینہ ساز

## سواریاں

زنگ : گھنگھرو، گھنٹی

## تندرستی

میری : سرداری

## گرونانک شاہ

نت : ہمیشہ برابر

گہتے ہیں : مضبوطی سے پکڑتے ہیں

## عید الفطر

تجرید : تنہائی، دنیا سے علاحدگی

معانقہ : گلے ملنا

لاہی : ایک ریشمی کپڑے کا نام

## ہولی کی بہاریں

بھویوں : ناچنے والے

## دوالی کا سامان

نکی موٹھ : ایک قسم کا جوا

نوگرہی : ہاتھ کا ایک زیور

## بسنت

بجرا : ایک قسم کی کشتی

رجرا : راجہ

صفیر : آواز

## برسات کی بہاریں

مارو : جنگ جو، لڑاکا

اُسارا : چھپر، سائبان

## تاج گنج کا روضہ

گمری : چھوٹی بُرجی

## ریچھ کا بچہ

قیق : آواز

جنگلے : جنگل

## اژدہے کا بچہ

جسیا : خوش نصیب

Printed at Tarang Printers, Delhi-110092